جلد ۱۹ وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین (القرآن) عدد ۵-۶

ماہنامہ میثاق لاہور

جون ۱۹۷۲ء

✶

زیر سرپرستی

مولانا امین احسن اصلاحی

✶

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ایم-بی-بی-ایس (پنجاب) ایم-اے اسلامیات (کراچی)

✶ ✶ ✶ ✶ ✶

—: یکے از مطبوعات :—

دار الاشاعۃ الاسلامیۃ لاہور

کوثر روڈ - اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور - ۱ (فون ۶۹۵۲۲)

قیمت فی پرچہ : ایک روپیہ

چالیسویں سالگرہ

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حَتّٰٓى
یہاں تک کہ
إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ
جب وہ اپنی پوری پختگی کو پہنچتا ہے
وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً
اور چالیس برس کا ہو جاتا ہے
قَالَ
تو کہتا ہے کہ
رَبِّ أَوْزِعْنِيٓ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيٓ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ
اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں ان انعامات کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیے
وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ
اور ایسے نیک اعمال کروں جو تجھے پسند ہوں
وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِيٓ
اور میری اولاد کو میرے لیے بھلائی کا ذریعہ بنا
إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ
میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں — اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں!

(سورۃ احقاف - آیت - ۱۵)

خلق اطفال اند جز مردِ خدا ★ نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا
(رومی)

چہل سالِ عمرِ عزیزت گذشت
مزاج تو از حالِ طفلی نہ گشت (سعدی)

دعوتِ توثیقِ عہدِ الست و تجدیدِ میثاقِ ایمان

کا علمبردار

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد ۱۹ — شمارہ ۵-۶

بابت

مئی، جون سنہ ۱۹۷۲ء

فی پرچہ — ایک روپیہ

سالانہ — دس روپے

شرائط ایجنسی

ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے -

— پرچہ صرف بذریعہ وی پی پی ارسال ہوگا —

کمیشن ۳۳ ½ فی صد — محصولڈاک بذمّہ "میثاق"

خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دارالاشاعت الاسلامیہ

کوثر روڈ، اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور ۱ : فون ۶۹۵۲۲

فہرست مضامین

★ تذکرہ و تبصرہ ——— اسرار احمد ۳

★ تدبر قرآن ——— مولانا امین احسن اصلاحی
● تفسیر سورہ توبہ (۴) ——— ۱۷

★ مقالات
● طریقِ استدلال کا مسئلہ ——— وحید الدین خاں ۴۱
● تاریخ اسلام میں ایک امریکی مستشرق کی دلچسپی ——— ڈاکٹر سٹیمن وڈ قاب
ترجمہ: پروفیسر اعجاز احمد چودھری ۵۲

★ اشارات علمیہ
● اسلام ایک فطری نظام معیشت کا حامل ہے
——— پروفیسر اعجاز احمد چودھری ۵۶

★ افکار و آراء
● تحریک تعلیم و تعلم قرآن کے ضمن میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کی رائے ——— مولانا مفتی محمد شفیع مدظلہ ۵۷

★ "آوازۂ منصور"
● شرک سرکاری سرپرستی میں ... کیپٹن ڈاکٹر مسعود الدین حسن عثمانی
——— ایم بی بی ایس۔ فاضل علوم دینیہ ۵۹

★ رفتارِ کار حلقہ ہائے مطالعہ قرآن
● روداد دورۂ ماہانہ و اجتماعات منعقدہ بیرون لاہور ۶۲
——— اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسرار احمد

تذکرہ و تبصرہ

مارچ اور اپریل کی اشاعتوں میں ہم نے اختصار کے ساتھ اپنی ان کوششوں کا ذکر کیا تھا جو ہم 'دعوتِ رجوع الی کتاب اللہ' اور 'تحریک تعلیم و تعلّم قرآن' کے ضمن میں گزشتہ چار ساڑھے چار سال سے لاہور میں کر رہے ہیں۔

اس سلسلے میں خاص طور پر ہم نے اس توسیع کا ذکر بھی کیا تھا جو اس کام میں مختلف پہلوؤں سے اس سال کے آغاز سے ہوئی ہے اور جس کی بنا پر ہمارے نزدیک یہ کام اپنے 'دورِ ثانی' میں داخل ہو گیا ہے اور یہ کہنا بھی غلط نہ ہو گا کہ اس نے واقعۃً ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی ہے۔

اس توسیع کے دو پہلوؤں کا ذکر تو اس سے قبل ہو چکا ہے —— یعنی ایک[۱] خود لاہور میں متعدد نئے حلقوں کا قیام اور کچھ رفقاء کا تعلیم و تعلّم قرآن کی اس خدمت میں بالفعل لگ جانا اور دوسرے[۲] بیرونِ لاہور توسیع جس کا اجمالی نقشہ راقم الحروف کے دوروں کی 'روداد' سے بخوبی سامنے آ جاتا ہے —— اس ترقی یا توسیع کا ایک پہلو اور بھی ہے جس کا ذکر ابھی نہیں ہو سکا۔ یعنی قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے پر تشہیر و اشاعت اور ایک عظیم الشان قرآن اکیڈمی کے قیام کے لیے "مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور" کے نام سے ایک ادارے کی تاسیس کا فیصلہ۔

آج کی صحبت میں ہمیں اسی کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے:

قارئین 'میثاق' کو بخوبی علم ہے کہ خود 'دار الاشاعت الاسلامیہ لاہور' کا قیام بھی بعینہٖ انہی مقاصد کے پیشِ نظر عمل میں آیا تھا۔ چنانچہ حسبِ ذیل عبارت جون ۱۹۶۸ء سے 'پہلے دو ماہ ٹائپ میں اور اس کے بعد ایک جلی بلاک کی صورت میں 'میثاق' کی ہر دوسرے تیسرے ماہ کی اشاعت میں شائع ہو رہی ہے۔

"دارالاشاعت الاسلامیہ لاہور"

کا مقصد

عُلومِ قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت

ہے : تاکہ

(۱) عوام کی توجہات قرآن حکیم کی جانب منعطف ہوں، ذہنوں پر اس کی عظمت کا نقش قائم ہو، دلوں میں اس کی محبت جاگزیں ہو ——— اور اس کی جانب ایک عام التفات پیدا ہو جائے۔

(۲) بہت سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والے نوجوان بھی اس سے متعارف ہوں اور ان میں سے کچھ تعداد ایسے نوجوانوں کی بھی نکل آئے جو اس کی قدر و قیمت سے اس درجہ آگاہ ہو جائیں کہ پوری زندگی اس کے علم و حکمت کی تحصیل اور نشر و اشاعت کے لیے وقف کر دیں۔

تاکہ

ایک عظیم الشان قرآن اکیڈمی کے قیام

کی راہ ہموار ہو سکے!

"وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ"

اس ادارے کی اولین خدمت تو یہی تھی کہ خود "میثاق" جس کی اشاعت کا سلسلہ ایک طویل عرصے سے معطل تھا جولائی ۱۹۶۶ء سے از سرِ نو جاری ہوا۔ اور اگرچہ اس وقت سے اب تک اس پر کئی دور آچکے ہیں اور کئی بار محسوس ہوا ہے کہ اب اسے بند کئے بغیر چارہ نہیں تاہم جیسے تیسے اس کی اشاعت تا حال جاری ہے اور کچھ نہ کچھ خدمت اس کے ذریعے ہو رہی ہے۔

تاہم وہ اصل کارنامہ جس پر یہ ادارہ بجا طور پر فخر کر سکتا ہے، مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر 'تدبر قرآن' کی اشاعت ہے۔ ۶۶ء میں جب راقم بارہ سال کی غیر حاضری کے بعد دوبارہ وارد لاہور ہوا تو تدبر قرآن کی جلد اوّل تسوید و تبییض کے جملہ مراحل طے کر کے اشاعت کے لیے ہر اعتبار سے تیار رکھی تھی لیکن چونکہ اس

کی طباعت کے لیے نہ تو اپنے ہی پاس وسائل موجود تھے اور نہ ہی کوئی اور قابلِ اعتماد صورت نظر آ رہی تھی لہٰذا مولانا اصلاحی پر شدید قسم کی مایوسی کی کیفیت طاری تھی۔ اتفاق سے راقم کے پاس اس وقت کچھ سرمایہ موجود تھا اور اللہ کے فضل و کرم سے اسے یہ توفیق حاصل ہوگئی کہ اس نے اس کام کا بیڑا اٹھا لیا۔ کام اگرچہ بہت مشکل تھا اور مرحلہ بے حد کٹھن، تاہم راقم خوش تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ عزیز کی یہ خدمت اس کے سپرد کی۔ ع "قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند!" اور جب ڈیڑھ سال کی محنت و مشقت کے بعد کتاب چھپ کر آئی اور اس کے حسنِ ظاہری کا چرچا ہوا اور کتابت و طباعت اور کاغذ و جلد بندی ہر ایک کے بارے میں تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہوئیں تو راقم کا سر بھی بلند ہوگیا کہ ع "شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم!"

موجودہ الوقت حالات کے پیشِ نظر، 'دارالاشاعت الاسلام لاہور' کی صورت لامحالہ ایک نجی کاروبار کی سی رکھی گئی تھی لیکن اسی وقت واضح کر دیا گیا تھا کہ یہ کوئی مستقل صورت نہیں بلکہ صرف اس لیے اختیار کی گئی ہے کہ بحالاتِ موجودہ کوئی دوسری صورت ممکن نظر نہیں آ رہی، ورنہ صحیح صورت یہی ہے یہ کام کسی ادارے کے تحت ہوں۔ چنانچہ جولائی ۶۷ء کے 'تذکرہ و تبصرہ' میں صاف عرض کر دیا گیا تھا کہ :

"ان دونوں کاموں - یعنی 'تدبر قرآن' کی طباعت و اشاعت اور 'میثاق' کے اجراء - کی کوئی دوسری ممکن و عملی صورت چونکہ موجود نہیں تھی لہٰذا مجبوراً راقم الحروف نے ان دونوں کو اپنی ذاتی ذمہ داری پر لیا اور اس کی صورت نجی کاروبار کی رکھی۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ راقم الحروف کی اوّلین خواہش یہی تھی کہ 'حلقہ تدبر قرآن' یا 'قرآن اکیڈمی' کے تحت ہی یہ تمام کام ہوتے - ویسے بھی یہ سب ہی جانتے ہیں کہ ان کاموں میں منفعت کی کوئی صورت دور دور تک نظر نہیں آتی اور پیہم اور مسلسل خسارے کا سامنا رہتا ہے، راقم الحروف نے یہ بوجھ صرف اس لیے اٹھایا ہے کہ کسی طرح ایک مرتبہ جمود ختم ہو اور حرکت پیدا ہو جائے - پھر جونہی کوئی باقاعدہ ادارہ تشکیل پا جائے، اس پورے سلسلے کو مالہٗ و ماعلیہ سمیت اس کے جانب منتقل کر دیا جائے ....."

اس کام کے بارے میں ایک مزید وضاحت جو اسی وقت کر دی گئی تھی اس کا ذکر بھی نامناسب نہیں ہے یعنی یہ کہ :

"ساتھ ہی یہ بھی واضح رہے کہ 'تدبر قرآن' کی جلد اوّل کی طباعت اور 'میثاق' میں اس کی اور افاداتِ فراہیؒ کی سلسلہ وار اشاعت محض مولانا اصلاحی صاحب کے ساتھ ذاتی مراسم کی بنا پر نہیں بلکہ اس گہرے یقین پر مبنی ہے کہ اگر قرآن حکیم کو مستقبل میں واقعتہً "ایک زندہ کتاب اور انسانیت کے لیے واقعی راہنمائی اور لائحہ عمل بننا ہے تو اس کی کوئی صورت اس کے سوا ممکن

نہیں ہے کہ اس پر خالص سائنٹفک طریق پر غور و فکر کی راہیں روشن ہوں اور اس کے لیے تدبر قرآن کا وہ اسلوب جو مولانا فراہیؒ نے عمر بھر کے غور و فکر کے بعد مرتب کیا اور جس پر مولانا اصلاحی نے عملاً ایک علمی تحریک کی بنیاد بھی رکھ دی بے حد اہم اور نہایت مفید ہے . . . . . "

بہر حال خدا کا شکر ہے کہ جس کام کا بیڑا ہم نے اٹھایا تھا خدا نے ہمیں اس میں سرخرو فرمایا۔ اور پہلے 'تدبر قرآن' کی جلد اول طبع ہوئی، پھر جلد دوم بھی شائع ہوئی، اور اب تیسری جلد کی بھی کتابت کا مرحلہ طے ہو چکا ہے، مزید برآں 'مبادیٔ تدبر قرآن' اور 'دعوت دین اور اس کا طریق کار' ایسی اہم اور بنیادی کتابیں بھی چھپ کر قدردانوں تک پہنچ گئیں۔ اور اب ایک طرف حقیقت شرک، حقیقت توحید، حقیقت تقویٰ اور حقیقت نماز بھی یکجا، 'حقیقتِ دین'، کے نام سے کتابت اور تصحیح کے مراحل طے کر چکی ہے۔ اور دوسری طرف مجموعۂ تفاسیر فراہیؒ زیر کتابت ہے۔

ادھر مارچ ۷۴ء سے جون ۷۶ء تک ایک سلسلہ وار مضمون 'میثاق' کے 'تذکرہ و تبصرہ' کے صفحات میں لکھا گیا جس میں تحریک پاکستان کے فکری اور جذباتی پس منظر کا بھی جائزہ لیا گیا اور متعین طور پر بتایا گیا کہ اس کے بنیادی عوامل میں مذہبی اور دینی داعیے کا حقیقی اور واقعی تناسب کس قدر تھا، اور پھر پاکستان کے قیام کے بعد یہاں اربابِ اقتدار اور دین کی علمبردار جماعتوں کے مابین جو کشمکش جاری رہی اس کا بھی جائزہ لیا گیا۔ اس مسلسل مضمون کا اختتام اس تحریر پر ہوا جو بعد میں "اسلام کی نشأۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام" کے نام سے کتابچے کی صورت میں شائع ہوئی اور جس میں احیائے اسلام کے لیے صحیح اور مثبت لائحہ عمل کی نشاندہی کی گئی اور اس کے ذیل میں ایک قرآن اکیڈمی کے قیام کی تجویز پیش کی گئی۔

چونکہ "احیائے اسلام کے لیے مثبت لائحۂ عمل" اور "قرآن اکیڈمی کے قیام کی تجویز" میں بظاہر ہزار فرسنگ کا فاصلہ نظر آتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے انسان آسمان پر پرواز کرتے کرتے دفعتہً زمین پر آگرے لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مثبت لائحہ عمل کا صغریٰ کبریٰ اختصار کے ساتھ پیش کر دیا جائے تاکہ ان دونوں کا باہمی ربط اور سلسلہ استدلال کی درمیانی کڑیاں واضح ہو جائیں۔ اور اس کے لیے بھی بجائے اس کے کہ اب کوئی نئی تعبیر اختیار کی جائے بہتر یہ ہے کہ اس مضمون کی اشاعت کے بعد اگلے ہی ماہ (جولائی ۶۷ء) کے 'تذکرہ و تبصرہ' میں اس کا جو خلاصہ پیش کیا گیا تھا اسے من وعن درج کر دیا جائے — وھو ھٰذا:

"گذشتہ ماہ کے 'تذکرہ و تبصرہ' میں ہم نے عرض کیا تھا کہ ——— "اسلام کی بنیاد

ایمان پر ہے اور احیائے اسلام کا خواب ایمان کی عمومی تجدید کے بغیر کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا! اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے اوّلین ضرورت اس امر کی ہے کہ ـــــ اُمّت میں تجدید ایمان کی ایک عظیم تحریک برپا ہو اور ایمان نرے اقرار اور محض قال سے بڑھ کر 'حال' کی صورت اختیار کرے۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا گیا تھا کہ اس ضمن میں اوّلین اہمیت چونکہ ملّت کے ان ذہین عناصر کو حاصل ہے جو از خود معاشرے کی رہنمائی کے منصب پر فائز اور اجتماعیت کی پوری باگ ڈور پر قابض ہوتے ہیں لہٰذا ـــــ وقت کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ ایک زبردست علمی تحریک ایسی اُٹھے جو سوسائٹی کے اعلیٰ ترین طبقات اور ذہین ترین عناصر کے فکر و نظر میں انقلاب برپا کر دے اور انہیں مادّیت اور الحاد کے اندھیروں سے نکال کر ایمان ویقین کی روشنی میں لے آئے اور خدا پرستی وخود شناسی کی دولت سے مالا مال کر دے۔

آخر میں عرض کیا گیا تھا کہ، متذکرہ بالا علمی تحریک کے اجراء کے لیے فوری طور پر دو چیزیں لازمی ہیں ایک یہ کہ عمومی دعوت وتبلیغ کا ایک ایسا ادارہ قائم ہو جو ایک طرف تو عوام کو تجدید ایمان اور اصلاح اعمال کی دعوت دے اور جو لوگ اس کی جانب متوجّہ ہوں ان کی ذہنی و فکری اور اخلاقی وعملی تربیت کا بندوبست کرے اور ساتھ ہی اُس علمی کام کی اہمیت ان لوگوں پر واضح کرے جو خلوص اور دردمندی کے ساتھ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے آرزومند ہیں اور دوسری طرف ایسے ذہین نوجوانوں کو تلاش کرے جو پیش نظر علمی کام کے لیے زندگیاں وقف کرنے کو تیار ہوں ..... دوسرے یہ کہ قرآن اکیڈمی کا قیام عمل میں لایا جائے ـــ جو ایک طرف علوم قرآنی کی نشر و اشاعت کا بندوبست کرے تاکہ قرآن کا نور عام ہو اور اس کی عظمت لوگوں پر آشکارا ہو اور دوسری طرف ایسے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرے جو بیک وقت علوم جدیدہ سے بھی بہرہ ور ہوں اور قرآن کے علم وحکمت سے بھی براہ راست آگاہ ہوں تاکہ متذکرہ بالا علمی کاموں کے لیے راہ ہموار ہو سکے ....!"

اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر بھی ادا کیا جائے کم ہے کہ اس لائحہ عمل کے پیش کرنے کے بعد راقم کو بلاتاخیر اس پر عملی جدّوجہد کے آغاز کی توفیق بھی بارگاہِ خداوندی سے حاصل ہو گئی۔ اور اواخر ۶۷ء کی اس کوشش کے ناکام ہو جانے کے بعد جو سردار محمدؒ اجمل خان لغاری، شیخ سلطان احمدؒ اور راقم کی متفقہ تحریک وتجویز اور مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا عبد الغفار حسن ایسے بزرگوں کی تائید و تعاون سے اس مقصد کے لیے ہوئی تھی۔

کہ جماعت اسلامی سے اختلاف پالیسی کی بنا پر علیحدہ ہونے والے لوگوں کو جمع کر کے کسی تعمیری خدمت میں لگایا جائے، راقم نے قیام اجتماعیت کے انتظار میں مزید کوئی وقت ضائع کئے بغیر اوائل ۶۸ء سے یک و تنہا ہی سفر کا آغاز کر دیا، اور متذکرہ بالا نقشۂ کار کے بموجب ایک طرف "حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن" کا وہ سلسلہ شروع کیا جس سے قارئین میثاق، بخوبی واقف ہیں اور دوسری طرف "سلسلۂ اشاعتِ قرآن اکیڈمی" کے عنوان سے یکے بعد دیگرے چند کتابچے[1] اس غرض سے شائع کئے تاکہ اس کام کی اہمیت بھی لوگوں پر واضح ہو اور اس کا استدلالی پس منظر بھی نگاہوں کے سامنے رہے۔

راقم کو اس کام کا آغاز بالکل تن تنہا کرنا پڑا تھا۔ نئے ساتھی تو بہرحال کسی کام کے ایک حد تک چل نکلنے کے بعد ہی مدد کرتے ہیں پرانے ساتھیوں میں سے بھی عملی تعاون تو دور رہا کسی کی تائید و ادعا تک حاصل نہ تھی بلکہ بعض رفقاء نے حد درجہ حوصلہ شکن رویّہ بھی اختیار فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پانچ سال سے بھی کم مدّت کی حقیر سی مساعی کا یہ ثمرہ نگاہوں کے سامنے ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ :

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے راز داں اور بھی ہیں

اور
میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر!
راہرو ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا!!

اس کامیابی کا اصل سبب تو یقیناً فضلِ خداوندی اور توفیقِ ایزدی کے سوا اور کچھ نہیں لیکن اس فضل و توفیق کا ایک مظہر یہ ہے کہ راقم نے اس کام کو نہ تو کسی تفریحی مشغلے کے طور پر کیا نہ محض دفع الوقتی کے لیے بلکہ زندگی کا ایسا مقصد سمجھ کر کیا جس پر نہ پیشہ ورانہ مصروفیت مقدم رہی نہ صحّت جسمانی، بلکہ ایک ایک کر کے ہر چیز داؤں پر لگ گئی۔ گویا

خیریت جاں، راحتِ تن، صحّتِ داماں
سب بھول گئیں مصلحتیں اہلِ ہوس کی!!

اور یہ بہرحال قدرت کا اٹل قانون ہے کہ کسی کام کے چل نکلنے کے بعد تو اس کا امکان بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص اس کے ساتھ جزوی طور پر وابستہ ہو سکے اور اپنی صلاحیت کار اور قوت و فرصت کا صرف ایک متعیّن اور محدود حصّہ صرف کر کے بھی کچھ نہ کچھ مفید خدمت انجام دے سکے لیکن آغازِ کار کے لیے تو لازم ہے کہ انسان بالکل

---

[1] جیسے اولاً خود "اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام" اور پھر "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" وغیرہ

دیوانگی کی سی کیفیت کے ساتھ پوری متاعِ زیست کو داؤں پہ لگادے ؎

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہا است بسے!
شرطِ اوّل قدم این است کہ مجنوں باشی!!

بہرحال اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ایک بندۂ حقیر اور عبد ضعیف کی مساعی کو اس درجہ مشکور فرمایا کہ ایک طرف درس و تدریس اور تعلیم و تعلّم قرآن کا سلسلہ لاہور اور بیرون لاہور روز افزوں ہے اور دوسری طرف کچھ حضرات نے راقم کے پیش نظر کاموں میں باقاعدہ اور باضابطہ تعاون کے لیے کمر ہمت کس لی ہے اور "قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے پر تشہیر و اشاعت" اور "قرآن اکیڈمی" کے مجوزہ خاکے کو عملی شکل دینے کے لیے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور" کے نام سے ایک ادارے کے قیام کا فیصلہ کر لیا ہے جس کی قرارداد تاسیس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

قراردادِ تاسیس

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چونکہ ہمیں اس امر کا شدید احساس ہے کہ

اسلام کی نشأۃِ ثانیہ اور غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کا خواب

امتِ مسلمہ میں **"تجدید ایمان"** کی عمومی تحریک

کے بغیر شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا

اور

اس کے لیے لازم ہے کہ اوّلاً

منبعِ ایمان و یقین یعنی قرآنِ حکیم کے علم و حکمت

کی وسیع پیمانے پر تشہیر و اشاعت کا اہتمام کیا جائے

لہٰذا

ہم، کچھ خادمانِ کتابِ مبین

"مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور"

کے قیام کا فیصلہ کرتے ہیں ــــ جو

متذکرہ بالا مقاصد کے لیے کوشاں رہے گی

اور اس کے لیے بنیادی سرمایہ کی فراہمی کے لیے ہم میں سے ہر شخص -/۵۰۰۰ (پانچ ہزار روپے) نقد کا زرِ تعاون پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس انفاق کو قبول فرمائے اور ہمیں ان مقاصد کے لیے بیش از بیش کوشش اور ایثار کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

ہم ہیں: مؤسسین مرکزی انجمن خدّام القران، لاہور،

اس انجمن کے اغراض و مقاصد اور مفصّل قواعد و ضوابط ابھی زیر ترتیب ہیں، انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں شائع کر دیئے جائیں گے۔ سر دست صرف یہ خوش خبری پیشِ خدمت ہے کہ نہ صرف یہ کہ اس کے مؤسسین کے حلقے میں چودہ افراد شامل ہو چکے جن میں سے گیارہ حضرات کا زرِ تعاون بھی وصول ہو چکا ہے بلکہ ایک صاحبِ خیر نے ایک قطعہ زمین بھی جس کی ایک لاکھ روپے کی پیش کش انہیں موصول ہو چکی ہے انجمن کو ہبہ کر دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔

ــــــــ الغرض یہ ہے "تحریکِ تعلیم و تعلّمِ قرآن" اور "دعوت رجوع الی القرآن" کی حالیہ توسیع کا تیسرا پہلو۔ جس پر مفصل گفتگو انشاءاللہ آئندہ ماہ ہوگی! وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین!

★ ★

اس اپریل کی ۲۶ تاریخ کو راقم الحروف عمر کے چالیس سال پورے کر کے اکتالیسویں سال میں داخل ہو گیا۔ آج سے ساڑھے پانچ سال قبل نومبر ۱۹۶۶ء میں جب راقم کے بڑے بھائی عمر کی اس منزل پر پہنچے تھے تو راقم نے سورۂ احقاف کی آیت نمبر ۱۵ خوبصورت کتابت کروا کے ان کو بطور 'تذکرہ' ارسال کی تھی اور بعد میں اس کا بلاک بھی بنوا کر 'میثاق' بابت ماہ مئی ۱۹۶۷ء کے کور پر بھی شائع کر دیا تھا۔ اب جو گزشتہ ماہ راقم خود اس منزل پہ پہنچا تو پھر وہ آیۂ کریمہ مسلسل کئی دن دل و دماغ پر بھی چھائی

اور تمہ "لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری" کے مصداق زبان پہ بھی جاری رہی۔ چنانچہ راقم نے اس کا ایک نیا بلاک دو اشعار سمیت بنوایا۔ جو اس اشاعت کے کور کے اندرونی صفحہ پہ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

بعد میں خیال آیا کہ یہ تو حساب ہی غلط ہے۔ دین میں تو حساب قمری سال سے ہوتا ہے نہ کہ شمسی سے۔ اب جو قمری تقویم سے حساب لگایا تو محسوس ہوا کہ راقم پہ یہ وقت دراصل اس وقت آیا تھا جب سوا سال قبل راقم حرمین شریفین میں اپنی زندگی کے سب سے بڑے فیصلہ کن موڑ سے گزر رہا تھا اور ؎

اسی کش مکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و سازِ رومی کبھی پیچ و تابِ رازی

کے مصداق ایک جانب احساسِ فرض اور اس کے تقاضوں اور دوسری جانب مصروفیاتِ دنیوی خصوصاً پیشہ وارانہ مصروفیت اور اس کے مطالبوں کو تول کر یہ طے کر رہا تھا کہ اب زندگی میں کونسی چیز کتنی رہے اور کونسی کتنی؟ ــــ اور جس کا آخری فیصلہ بحمد اللہ یہی ہوا کہ طے ہو گیا کہ میڈیکل پریکٹس بالکل ختم ــ اور تمام وقت اور تمام قوتیں اور صلاحیتیں وقف لِاِفشاءِ کلامِ ربانی و اِعلاءِ کلمۃ اللہ! ــــــــــ اس سے مزید خوشی ہوئی کہ راقم نے زندگی کا یہ اہم ترین فیصلہ زندگی کے عین اس مرحلے پر کیا تھا جسے قرآن حکیم نے "فَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗ" سے تعبیر کیا ہے۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ ـــ!!

اب اللہ ہی سے دعا ہے کہ وہ اوّلاً خود ہی اس دعا کو واقعۃً 'میرا حال' بنا دے اور خود ہی اس کی قبولیت کا فیصلہ بھی صادر فرما دے۔ اس کی اب تک کی عنایات بھی بے پایاں ہیں اور آئندہ کے لیے بھی سارا توکل و اعتماد اسی کے فضل و کرم پہ ہے۔

اس کی عنایات بے پایاں کا ایک مظہر جو "وَ اَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ" کے امتثال میں عرض ہے، یہ ہے کہ خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب کے اس شعر کے مصداق کہ ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی - اب تو آ جا اب تو خلوت ہو گئی

راقم کا حال اب واقعۃً یہ ہے کہ زندگی میں کوئی تمنا سوائے "اسلام کی نشاۃ ثانیہ" اور "غلبۂ حق کے دورِ ثانی" اور اس کے لیے لازمی طریق کے طور پہ اِفشاءِ کلامِ ربانی اور تشہیرِ علم و حکمتِ قرآنی کے باقی نہیں رہی۔

راقم نے اپنے بچپن میں جبکہ وہ آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا نہایت ذوق و شوق سے حفیظ کا شاہنامہ پڑھا تھا۔ حضرتِ حفیظ تو بعد میں اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کن کن وادیوں میں سرگرداں رہے بہرحال شاہنامے کی تصنیف انہوں نے جس جذبے کے تحت کی تھی وہ ان کے اس شعر سے ظاہر ہے کہ ؎

اور تمہ " لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری " کے مصداق زبان پر بھی جاری رہی ۔ چنانچہ راقم نے اس کا ایک نیا بلاک دو اشعار سمیت بنوایا ۔ جو اس اشاعت کے کور کے اندرونی صفحہ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے ۔

بعد میں خیال آیا کہ یہ تو حساب ہی غلط ہے ۔ دین میں تو حساب قمری سال سے ہوتا ہے نہ کہ شمسی سے ۔ اب جو قمری تقویم سے حساب لگایا تو محسوس ہوا کہ راقم پر یہ وقت دراصل اس وقت آیا تھا جب سوا سال قبل راقم حرمین شریفین میں اپنی زندگی کے سب سے بڑے فیصلہ کن موڑ سے گزر رہا تھا اور ؎

اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی

کے مصداق ایک جانب احساس فرض اور اس کے تقاضوں اور دوسری جانب مصروفیات دنیوی خصوصاً پیشہ وارانہ مصروفیت اور اس کے مطالبوں کو تول کر یہ طے کر رہا تھا کہ اب زندگی میں کونسی چیز کتنی رہے اور کونسی کتنی ؟ — اور جس کا آخری فیصلہ بحمد اللہ یہی ہوا کہ طے ہوگیا کہ میڈیکل پریکٹس بالکل ختم — اور تمام وقت اور تمام توتیں اور صلاحیتیں وقف لِاِ فشاءِ کلامِ ربانی و اِعلاءِ کلمۃ اللہ! ——— اس سے مزید خوشی ہوئی کہ راقم نے زندگی کا یہ اہم ترین فیصلہ زندگی کے عین اس مرحلے پر کیا تھا جسے قرآن حکیم نے " فَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗ " سے تعبیر کیا ہے ۔ فَلِلّٰہِ الحمد والمنّۃ —— !!

اب اللہ ہی سے دعا ہے کہ وہ اولاً خود ہی اس دعا کو واقعۃً 'میرا حال' بنا دے اور خود ہی اس کی قبولیت کا فیصلہ بھی صادر فرما دے ۔ اس کی اب تک کی عنایات بھی بے پایاں ہیں اور آئندہ کے لیے بھی سارا توکل و اعتماد اسی کے فضل و کرم پر ہے ۔

اس کی عنایات بے پایاں کا ایک مظہر جو " وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ " کے امتثال میں عرض ہے ، یہ ہے کہ خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب کے اس شعر کے مصداق کہ ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی — اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

راقم کا حال اب واقعۃً یہ ہے کہ زندگی میں کوئی تمنا سوائے " اسلام کی نشاۃ ثانیہ " اور "غلبۂ حق کے دور ثانی " اور اس کے لیے لازمی طریق کے طور پر افشاءِ کلامِ ربانی اور تشہیر علم و حکمتِ قرآنی کے باقی نہیں رہی ۔

راقم نے اپنے بچپن میں جبکہ وہ آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا نہایت ذوق و شوق سے حفیظ کا شاہنامہ پڑھا تھا ۔ حضرتِ حفیظ تو بعد میں اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کن کن وادیوں میں سرگرداں رہے بہرحال شاہنامے کی تصنیف انہوں نے جس جذبے کے تحت کی تھی وہ ان کے اس شعر سے ظاہر ہے کہ ؎

کیا فردوسیؔ مرحوم نے ایراں کو زندہ
خدا توفیق دے تو میں کردوں اسلام کو زندہ

حقیقت یہ ہے کہ خود راقم کا اصلی 'حال' اب کہ اس کے سوا اور کوئی تمنا یا خواہش دل میں باقی نہیں رہی کہ "احیائے اسلام" کے عظیم مقصد کے تحت کم از کم اتنا تو ہو کہ ؎

" خدا توفیق دے تو میں کردوں قرآن کو زندہ !"

راقم کے لیے یہ یقیناً چھوٹا منہ بڑی بات ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تو بہرحال کوئی چیز بھی بعید نہیں وما ذالک علی اللہ العزیز ! کیا عجب کہ وہ راقم کو اس خدمت کے لیے قبول ہی فرمالے ؎ شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا !

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

مقالات

از مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی

قرآن مجید کی اثرانگیزی

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو عربوں کی زبان میں نازل کیا تھا اور عربوں کو اپنی قدرتِ کلام، فصاحت و بلاغت، زوربیان، زبان دانی اور طلاقتِ لسانی پر بڑا ناز تھا۔ وہ اپنے علاوہ ساری دنیا کو عجم یعنی گونگا کہتے تھے۔ لیکن انہی عربوں کے پاس جن کو اپنی خطابت اور لسانی کا بڑا زعم اور گھمنڈ تھا جب قرآن کی آیتیں اتریں تو وہ دم بخود اور حیرت زدہ ہو گئے اور اس کے زورِ بیان اور طرزِ کلام کو دیکھ کر اپنے آپ کو عاجز اور درماندہ تصور کرنے لگے اور اس کی بلاغت و فصاحت کے سامنے اپنی فصاحت و بلاغت کو حقیر و بے مایہ سمجھنے لگے۔ اور جب انہی عربوں کو جو اپنے آپ کو سب سے بڑا زبان دان اور ساری دنیا کو گونگا کہتے تھے۔ قرآن مجید نے چیلنج کیا کہ اس کے جیسی کوئی ایک سورہ یا دس آیتیں یا ایک ہی آیت پیش کر دو تو تمہاری لسانی کے کرتب اور زورِ بیان کا کمال تسلیم کر لیا جائے گا۔ مگر وہ اس تحدی کا جواب نہ دے سکے اور کسی بڑے سے بڑے شاعر و خطیب اور اعلیٰ درجہ کے ادیب و انشا پرداز کو بھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ قرآن حکیم جیسا کوئی کلام پیش کرے۔ اور قرآن کے زورِ بیان اور طرزِ کلام سے سب مبہوت اور سب کی زبانیں گنگ ہو گئیں۔ لبید بن ربیعہ عرب کے بڑے نامور اور ممتاز شاعر تھے یہ اسلام سے بھی مشرف ہوئے۔ زمانۂ جاہلیت میں جن سات شعراء کے قصائد خانۂ کعبہ میں آویزاں تھے، ان میں ان کا بھی ایک قصیدہ تھا۔ ان کی بلند پائیگی اور شاعرانہ کمال کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اموی دور کے مشہور اور عظیم شاعر فرزدق کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ان کے ایک شعر

وجلا السیول عن الطلول کانھا زبر تجد متونھا اقلامھا

ترجمہ: سیلاب نے ٹیلوں کو لکھے جانے والے کاغذ کی طرح صاف شفاف بنا دیا ہے۔

کو سنکر سجدہ ریز ہو گیا تھا[۱] لیکن ایسا باکمال اور بلند پایہ شاعر بھی قرآن کا زور و اثر دیکھ کر

---

[۱] طبقات الشعراء و ابن قتیبہ ص۱۴۵

اس درجہ مبہوت اور مسحور ہوا کہ اس کے بعد اس نے شاعری بھی ترک کر دی۔ امیرالمومنین حضرت عمر بن خطاب نے ایک دفعہ ان سے شعر پڑھنے کے لیے کہا تو انہوں نے جواب دیا، جب خدا نے ہمیں بقرہ اور آل عمران سکھا دیا ہے تو پھر شعر کہنا ہم کو زیب نہیں دیتا۔ لے

لبید بن ربیعہ نے زمانۂ جاہلیت میں قسم کھائی تھی کہ اگر پروا ہوا چلے گی تو اونٹ ذبح کرکے احباب کی دعوت کریں گے۔ اسلام لانے کے بعد یہ صورت پیش آئی مگر اس وقت ان کے پاس نہ تو اونٹ تھے اور نہ ان کو خریدنے کے لیے رقم۔ ولید بن عقبہ کو جو حضرت عثمانؓ کی جانب سے کوفہ کے گورنر تھے معلوم ہوا تو ان کے یہاں دس اونٹ بھجوائے اور چند شعر لکھنے کی فرمائش کی۔ حضرت لبید نے اونٹوں کو تو ذبح کر دیا لیکن شعر گوئی ترک کر چکے تھے اس لیے اپنی لڑکی سے شعر لکھنے اور شکریہ ادا کرنے کے لیے کہا۔ اس نے جواب لکھ کر ان کو دکھلایا تو انہوں نے پسند کیا مگر آخری شعر

فعد ان الکریم له معاد وظنی یا ابن اروی ان تعودا

ترجمہ: آپ دوبارہ بھی اسی طرح سخاوت کیجئے اور ہم کو ہدیہ بھیجئے کیونکہ شریف آدمی بار بار ہدیے کرتا ہے اور اے ابنِ اروی میرا خیال ہے کہ آپ دوبارہ اپنی فیاضیوں سے ہم کو محروم نہ رکھیں گے۔

میں چونکہ مزید طلب اور بخشش کی تمنا ظاہر کی گئی تھی اس لئے انہوں نے کہا مزید طلب کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ لڑکی نے جواب دیا، امیر و حاکم سے مزید طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں، وہ عام لوگوں میں ہوتا تو میں مزید کی درخواست نہ کرتی ۔ ؎۲

مولینا شبلی نے خواجہ حافظ کے کمالات اور ان کی شاعری کی عظمت و اثر انگیزی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"خواجہ حافظ کے بعد اصول ارتقاء کے خلاف غزلیہ شاعری کی ترقی ڈیڑھ سو برس تک رُک گئی، جس طرح قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد شعراء کی زبانیں بند ہو گئیں۔" ؎۳

یہ قرآن کی عظمت و بلند پایگی اور اس کا غیر معمولی اعجاز و اثر ہی تھا کہ سخت سے سخت دل بھی نرم ہو گئے اور وادیٔ ظلمات میں بھٹکنے والوں کو سراج منیر مل گیا اور نہایت قلیل عرصہ میں اسلام کا

لے استیعاب لابن عبد البرج ص۴۳۵ ؎۲ طبقات الشعراء ص۱۴۹، ؎۳ شعر العجم جلد پنجم ص۵

مہرِ درخشاں عرب کے افق سے آگے بڑھ کر دوسرے خطوں اور ملکوں کے مطالع پر ضوفشانی کرنے لگا اور چشم زدن میں لوگ فوج در فوج حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کی شوکت و قوت سے مرعوب ہو کر لوگوں نے اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ اور اعلیٰ سیرت و کردار نے متنفر اور بیزار طبیعتوں کو متوجہ و مائل کر لیا۔ قرآن مجید نے غیب کے متعلق جو خبریں دیں اور پیشگوئیاں کیں جب وہ صحیح ثابت ہونے لگیں تو اس کے باعث لوگ اسلام کی صداقت قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔ علیٰ ہٰذا القیاس اسلام کی ہمہ گیر اور جامع دعوت، اعلیٰ تعلیم اور ابدی اصول و قوانین نے لوگوں کو اس کا گرویدہ بنا دیا یہ سب صحیح ہے لیکن غور کیجئے ابتداءً نہ تو اسلام کی ہمہ گیری اور جامعیت کا لوگوں کو تجربہ ہوا تھا اور نہ اخبارِ غیب کے درست اور سچ ثابت ہونے کا اور اس وقت اسلام کی قوت و شوکت سے مرعوب ہونے کا بھی سوال نہ تھا، البتہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سیرت و کردار، دیانت و امانت اور صدق و عفاف وغیرہ کا ضرور تجربہ تھا، لیکن یاد ہوگا کہ صفا پر جب آپ نے اپنے اخلاقِ فاضلہ کا حوالہ دے کر لوگوں کو حق و توحید کی دعوت دی تو وہ کتنے لوگوں کو اپیل کر سکی۔ بعضوں نے تو اس وقت یہاں تک کہہ دیا تھا، تَبًّا لَّكَ أَلِهٰذَا دَعَوْتَنَا (تمہارا ستیاناس ہو کیا اسی لیے ہم کو بلایا تھا)۔

پس یہ قرآن کی بلاغت و تاثیر تھی جس نے صدیوں کے پرانے باطل اور لغو خیالات و عقائد کو تھوڑی مدت میں تبدیل کر دیا۔ تاریک اور مردہ دلوں کو روشن اور شاداب بنا دیا۔ وادیٔ ظلمات میں بھٹکنے والوں کو راہ ہدایت و سعادت پر گامزن کر دیا۔ خود مشرکین عرب بھی جو اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اسلام کی صداقت آشکارا ہونے کے باوجود بھی اپنے باپ دادا کے دین سے چمٹے رہے، قرآن کے اثر و نفوذ کے پوری طرح معترف تھے اور اس کی غیر معمولی تاثیر ہی کی وجہ سے اس کو سحر، شعبدہ اور شعر اور آنحضور صلعم کو ساحر، کاہن اور شاعر کہتے تھے۔ قرآن مجید میں متعدد مواقع پر ان کے اُن اقوال و آراء کو نقل کر کے ان کی تردید کی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ ان چیزوں کی اثر آفرینی بالکل مسلّم ہے، دوسرے سحر و شعر وغیرہ کہہ کر وہ کلام الٰہی کو لوگوں کی نگاہ میں بے وقعت بنانا چاہتے تھے تاکہ لوگ اس کی طرف کوئی دھیان اور توجہ نہ دیں کیونکہ انہیں قرآن کے اعجاز و اثر پر پورا یقین تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ جس نے ایمانداری اور غیر جانبداری کے ساتھ اس کو سنا وہ اس کی دعوت کو قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتا اسی لیے وہ اپنے حدِ امکان بھر عام لوگوں کو قرآن سننے سے باز رکھنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا		اور کافروں نے کہا تم لوگ اس قرآن

لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (حٰمٓ السجدہ ۲۶)

کو نہ سنو اور جب یہ پڑھا جائے تو بک بک کرو تاکہ تم غالب آسکو۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ مشرکین عرب قرآن حکیم کو سحر و شعبدہ صرف اس کو بے وزن اور کمتر ثابت کرنے کے لیے کہتے تھے اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہ اس کو واقعۃً کہانت سحر اور شعر ہی سمجھتے تھے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت جیسا کہ جاحظ وغیرہ نے تصریح کی ہے بے شمار بڑے بڑے خطیب و شاعر بھی تھے اور کاہن ساحر بھی، لیکن کیوں کسی کو یہ مجال اور جرأت نہ ہوئی کہ قرآن کا چیلنج قبول کرتا اور اس کے جیسی ایک آیت بھی پیش کر کے دکھا دیتا۔

معلوم ہوا کہ قرآن کے اثرات بڑے دور رس اور نتیجہ خیز ہوتے تھے اور عام ذہنوں اور سادہ طبیعتوں کے سامنے جب اس کی آواز گونجتی تھی تو وہ ان میں جگہ پیدا کئے بغیر نہیں رہتی تھی۔ ذیل میں ہم تاریخ و سیر اور حدیث کی کتابوں سے کچھ ایسے واقعات نقل کرتے ہیں جن سے قرآن کے کمال تاثیر کا اندازہ پورا ہو جائے گا۔ باقی اسباب تاثیر، وجوہ اعجاز اور اسرار بلاغت سے تعرض کرنے کا یہ محل نہیں ہے قدیم علماء اور موجودہ زمانہ کے بعض مصنفین نے اس پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور اگر ضرورت ہوئی تو انشاء اللہ آئندہ اس پر بھی لکھا جائے گا۔

(جاری)

تدبر قرآن

مولانا امین احسن اصلاحی

تفسیر

سورہ توبہ

(۵)

۱۱- الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

ومنھم الذین یؤذون النبی ویقولون ھو اذن، قل اذن خیر لکم یؤمن باللہ ویؤمن للمؤمنین ورحمۃ للذین امنوا منکم والذین یؤذون رسول اللہ لھم عذاب الیم - ٦١

'اذن' کا مفہوم

"ومنھم الذین یؤذون النبی و یقولون ھو اذن" "اذن" کے معنی کان کے ہیں۔ جب یہ کسی شخص کے لیے بطور استعارہ استعمال کیا جائے تو اس کے اندر ہجو ملیح کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی بس وہ نرا کان ہی کان ہے، ہر ایک کی بات سن لیتا اور اس کا باور کر لیتا ہے۔ ہم نے اس کو ہجو ملیح اس لیے قرار دیا ہے کہ عموماً یہ الزام بڑے لوگوں پر ان کے حاسدین یا منافقین لگاتے ہیں کہ ہے تو بڑا آدمی، اس میں بہت سی خوبیاں بھی ہیں لیکن کان کا کچا ہے، ہر ایرے غیرے کی بات سن لیتا اور مان لیتا ہے۔ ہجو ملیح کا مضمون اس میں یہاں سے پیدا ہوتا ہے کہ ہر ایک کی بات سن لینا جہاں آدمی کی شرافت اور کریم النفسی کی دلیل ہے وہیں یہ اس کی سادگی، بھولے پن اور بے بصیرتی کی بھی دلیل ہے۔

منافقین کی ایک شرارت

منافقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ لفظ اس کے اسی مفہوم کو پیش نظر رکھ کر استعمال کرتے۔ وہ اپنی نجی مجلسوں میں اللہ، اس کے رسول اور آیات الٰہی کا مذاق اڑاتے، جب آنحضرت ؐ تک کسی ذریعہ سے اس کی خبر پہنچتی اور آپ اس پر کچھ خفگی یا ناراضی کا اظہار فرماتے تو منافقین اپنی صفائی میں لوگوں سے یہ کہتے کہ یہ نیک آدمی ہیں جو بات کوئی شخص کان میں ڈال جاتا ہے اس کو سچ جان لیتے ہیں اور اس کی بنا پر ہم جیسے وفا شعاروں اور اطاعت

گزاروں سے بد گمان ہو جاتے ہیں۔ ورنہ بھلا ہماری زبانوں سے اللہ و رسول کی شان میں کوئی توہین کا کلمہ قصداً نکل سکتا ہے؟ ازراہِ سخن گستری، مذاقاً اور تفریحاً بلا ارادۂ تحقیر کوئی لفظ نادانستہ زبان سے نکل گیا ہو تو اس کی بات اور ہے۔

منافقین کو جواب

'قل اذن خیر لکم'۔ یہ منافقین کی بات کا جواب دلوایا ہے کہ اگر نبی کو سراپا کان سمجھتے ہو تو اس کا وہ پہلو جو تمہارے ذہن میں ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ وہ سراپا گوش تمہاری بھلائی کے باب میں ہے۔ ان کے کان ہر وقت اس تمنا میں کھلے ہوئے ہیں کہ ان میں تمہاری اچھی باتوں، اچھے کاموں، اچھے ارادوں کی خبریں پڑیں اور ان سے وہ مسرور ہوں۔ وہ تمہاری بری خبریں اور بری سرگوشیاں سننے کے لیے کان نہیں لگائے ہوئے ہیں کہ کوئی آئے اور تمہاری کسی بری حرکت کی خبر سنا جائے اور وہ اس کو قیمتی سوغات سمجھ کر اپنے حافظہ میں محفوظ کر لیں۔ باپ اپنے بیٹوں کے لیے جتنا شفیق ہوتا ہے نبی اس سے کہیں زیادہ اپنی امت کے لیے شفیق و رحیم ہوتا ہے۔ وہ ان کی خرابیوں کی ٹوہ میں نہیں بلکہ بھلائیوں کی ٹوہ میں رہتا ہے اور ہر آن وہ یہی چاہتا ہے کہ اس کے کانوں میں کوئی نہ کوئی اچھی ہی بات ان کی بابت پڑے۔ پس اگر تم اس کو سراپا کان سمجھتے ہو تو اس پہلو سے بے شک وہ تمہارے لیے سراپا کان ہی ہے اور یہ چیز تمہارے لیے مبارک ہے نہ کہ کوئی ایسی چیز جس کو تم ہجو اور تحقیر کا موضوع بنا لو۔

پیغمبر کا اعتماد اللہ اور اہلِ ایمان پر

'یؤمن باللہ ویؤمن للمؤمنین' یعنی پیغمبر کے متعلق تمہارا یہ گمان بھی بالکل غلط ہے کہ وہ ہر ایرے غیرے کی بات سن لیتے اور اس کو باور کر لیتے ہیں۔ ان کا ایمان اللہ پر ہے اور وہ صرف وہ بات باور کرتے ہیں جو سچے اور پکے اہلِ ایمان کے ذریعہ سے ان کو پہنچتی ہے۔ اللہ اگر تمہارے باب میں کوئی خبر دے تو اس سے سچی اور پکی خبر اور کیا ہو سکتی ہے؟ اسی طرح اگر اہلِ ایمان تمہارے باب میں نبی کو کوئی اطلاع پہنچائیں تو آخر نبی اس کو کیوں نہ باور کرے؟ مطلب یہ کہ تمہارے باب میں نبی کے ذرائع اطلاع نہ تو ہوائی ہیں اور نہ پیغمبر ایسے بھولے بھالے ہیں کہ وہ ہوائی باتوں پر رائے قائم کرتے اور بدگمان ہوتے چلیں۔ وہ خدا کی رہنمائی میں چلتے اور اہلِ ایمان کی باتوں پر کان دھرتے ہیں۔ یہ بات ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ ایمان کا صلہ جب 'ل' کے ساتھ آئے تو وہ صرف کسی کی بات کو ماننے اور باور کرنے کے مفہوم میں ہوتا ہے۔

نبی سراپا رحمت

'ورحمۃ للذین آمنوا منکم' یعنی تم میں سے جو لوگ صحیح ایمان کی روش اختیار کریں، پیغمبر ان کے لیے سراپا شفقت و رحمت ہیں۔ وہ تمہارے بدخواہ نہیں ہیں کہ وہ اپنے کان تمہارے بدخواہوں

کے لیے کھول دیں۔ وہ تمہاری اصلاح اور فلاح چاہتے ہیں اور تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کی کامرانی اس بات میں ہے کہ تم صحیح ایمان کی روش اختیار کر کے پیغمبرؐ کی رحمت و شفقت کے سزاوار بنو۔ فعل 'امنوا' یہاں اپنے حقیقی اور کامل معنوں میں ہے۔ یعنی ان لوگوں کے لیے جو محض زبانی مدعیٔ ایمان ہونے کے بجائے سچے اور پکے مومن بن جائیں۔ رہے وہ لوگ جو محض زبانی جمع خرچ کے اعتماد پر مومن بنے رہنا چاہتے ہیں اور اپنی باتوں اور حرکتوں سے پیغمبرؐ کو دکھ پہنچا رہے ہیں وہ یاد رکھیں کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

یحلفون باللہ لکم لیرضوکم واللہ و رسولہ احق ان یرضوہ ان کانوا مومنین'۔ ۶۲

عذرِ گناہ بدتر از گناہ

خطاب مسلمانوں سے ہے کہ منافقین اپنے ایمان کے بارے میں تم کو اطمینان دلانے کے لیے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔ حالانکہ ان کے اندر اگر ایمان ہوتا تو تمہارے اطمینان سے زیادہ ان کو اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنے کی فکر ہوتی۔ یہ بڑی ہی برمحل گرفت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ حرکت جو یہ اپنے ایمان کو معتبر ثابت کرنے کے لیے کر رہے ہیں بجائے خود ان کی بے ایمانی کی ایک واضح دلیل ہے۔ یہ اسی طرح کی گرفت ہے جس کی نہایت بلیغ مثال 'الا فی الفتنۃ سقطوا' میں گزر چکی ہے۔ بسا اوقات آدمی کا عذرِ گناہ بدتر از گناہ بن جاتا ہے۔ منافقین نے اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے جو روش اختیار کی وہ ان کو اور زیادہ مجرم ثابت کرنے والی بن گئی۔ وہ راستباز ہوتے تو اللہ اور رسول کو راضی کرنے کی کوشش کرتے نہ کہ جھوٹی قسموں کے ذریعہ سے مسلمانوں کے سامنے اپنے کو معصوم اور پیغمبرؐ کو کان کا کچا ثابت کرنے میں لگ جاتے۔ یہ تو پیغمبر کے خلاف پروپیگنڈے کی نہایت عیارانہ مہم ہوئی۔

یہاں 'یرضوہ' میں واحد کی ضمیر بھی قابلِ لحاظ ہے۔ چونکہ اللہ اور رسول کی رضا ایک ہی ہے اس وجہ سے ضمیر واحد آئی۔

'الم یعلموا انہ من یحادد اللہ و رسولہ فان لہ نار جھنم خالدا فیھا ذلک الخزی العظیم'۔ ۶۳

منافقین کو دھمکی

'محادہ' کے معنی کسی کے مقابل میں دشمن بن کر اٹھنے کے ہیں۔ 'فَاَنَّ' کا عطف 'انّہ' پر ہے۔ یہ منافقین کے مذکورہ بالا پروپیگنڈے پر ان کو دھمکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے جرم پر اللہ سے معافی مانگنے اور رسول کو راضی کرنے کی جگہ انہوں نے جھوٹی قسموں کے بل پر مسلمانوں کے اندر اپنی معصومیت کی جو مہم چلا

رکھی ہے اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے خلاف جو پارٹی انہوں نے بنائی ہے اس کو مزید مستحکم کریں تاکہ اپنا کام زیادہ مؤثر طریقے پر کر سکیں۔ کیا اتنی طویل تذکیر و تبلیغ کے بعد بھی ان پر یہ حقیقت واضح نہ ہو سکی کہ جو لوگ اللہ اور رسول کے حریف بن کر کھڑے ہوتے ہیں ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ بہت بڑی رسوائی ہے۔ 'ذٰلِکَ الخزی العظیم' میں لطیف اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ آج کی رسوائی سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے جو کھیل یہ کھیل رہے ہیں بالفرض یہ اس میں کامیاب بھی ہو جائیں تو آخر اس سب سے بڑی رسوائی سے اپنے آپ کو بچانے کی کیا تدبیر کریں گے۔

یحذر المنفقون ان تنزّل علیھم سورۃ تنبئھم بما فی قلوبھم قل استھزءوا ان اللہ مخرج ما تحذرون۔ ۶۴

'حَذِرَ یَحْذَرُ' کے معنی خائف اور چوکنے ہونے کے ہیں۔ 'تنزل علیھم' 'تقرء علیھم' کے مفہوم میں ہے یعنی انہیں پڑھ کر سنا دی جائے۔

منافقین کی پردہ دری کا اندیشہ

منافقین نے مسلمانوں کے سامنے صفائی پیش کرنے کی جو مہم شروع کی تھی یہ اس کا پس منظر سامنے لایا جا رہا ہے کہ اب تک قرآن کے رویہ پر جو تنقید ہوئی تھی وہ اشارات کے انداز میں تھی کہ ان کا زیادہ فضیحتا نہ ہو اور یہ اصلاح کرنا چاہیں تو اصلاح کر لیں لیکن اس سورہ میں ان کو لب و لہجہ بدلا ہوا جو نظر آیا ہے اور ان کی نج کی مجلسوں کے بعض اسرار جو زیر بحث آئے ہیں تو وہ گھبرا اٹھے ہیں کہ مبادا کوئی ایسی سورہ نازل ہو جائے جو ان کے سارے اسرار درون پردہ بے نقاب کر کے رکھ دے۔ چنانچہ اسی اندیشے کے پیش نظر جھوٹی قسموں کے سہارے انہوں نے یہ اپنی صفائی کی مہم چلائی ہے۔ فرمایا کہ ان کو خبردار کر دو کہ اب تمہاری یہ پیش بندی کچھ کارگر ہونے والی نہیں۔ اللہ و رسول اور اللہ کی آیات کا جتنا مذاق اڑانا ہے اڑا لو۔ اب وقت آگیا ہے کہ جن چیزوں کے بے نقاب ہونے سے تم ڈر رہے ہو اللہ ان سب کو بے نقاب کر کے رہے گا۔ یہ امر واضح رہے کہ یہ سورہ جس طرح مشرکین اور اہل کتاب کے باب میں خاتمۂ بحث کی حیثیت رکھتی ہے اسی طرح منافقین کے باب میں بھی یہ فیصلہ کن سورہ ہے۔ اس میں، جیسا کہ آگے کے مباحث سے واضح ہو جائے گا، ان کو پوری طرح ننگا کر دیا گیا ہے۔

'ولئن سألتھم لیقولن انما کنا نخوض ونلعب' قل اباللہ وایٰتہ ورسولہ کنتم تستھزءون۔ ۶۵

خوض کا مفہوم

'خوض' کے اصل معنی تو دریا وغیرہ میں گھسنے کے ہیں لیکن بات کے تعلق سے یہ آئے تو اس کا مفہوم بال کی

کھال ادھیڑنا بھی ہو سکتا ہے اور ایک بات سے دوسری اور دوسری سے تیسری بات نکالتے ہوئے کہیں سے کہیں جا نکلنا بھی ہو سکتا ہے۔ ہم نے ترجمہ میں سخن گستری کا لفظ اختیار کیا ہے۔

ایک اور گناہ بدتر از گناہ

یہ منافقین کے ایک اور عذر گناہ بدتر از گناہ کی مثال پیش کی گئی ہے کہ اگر تم ان سے اس استہزاء کی بابت دریافت کرو گے جو وہ اپنی مجالس میں اللہ اور رسول کا کرتے ہیں تو جھٹ جواب دیں گے معاذ اللہ استہزاء! ہم تو بس کچھ ہنسی مذاق کی باتیں کر رہے تھے! - قرآن نے ان کو یہیں سے دھر لیا کہ ' اباللہ و ایتہٖ ورسولہ کنتم تستھزءون ' کیا اب تمہاری ہنسی دل لگی اور مشق سخن گستری کے لیے اللہ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی رہ گئے ہیں! بازی بازی با ریش بابا ہم بازی!

لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم ؕ ان نعف عن طائفۃ منکم نعذب طائفۃ بانھم کانوا مجرمین - ۶۶

دینی حقائق کا استہزا کفر ہے

یعنی باتیں نہ بناؤ۔ تمہارا یہ عذر گناہ تمہارے گناہ سے بھی بدتر ہے۔ اگر کوئی گروہ اللہ اور اس کی آیات کو ہنسی دل لگی کا کھلونا بنائے تو اس کے مجرم ہونے کے لیے اور کیا چاہیئے؟ یہ تو صریحاً ایمان کے اظہار کے بعد کفر کا اعلان ہے۔ تم نے ایمان کا دعوے کیا تھا تو اس کا حق تو یہ تھا کہ اپنے عمل سے اس کا ثبوت فراہم کرتے لیکن عمل سے تم نے ثبوت فراہم کیا ہے کفر کا اس لیے کہ اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول کا استہزا کفر ہے۔ انعام آیت ۱۰ کے تحت اس مسئلہ پر گفتگو ہو چکی ہے۔

ان نعف عن طائفۃ ... الآیۃ - اوپر کی آیات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ منافقین کی بہت سی ٹولیاں تھیں جن کے نفاق کی نوعیتیں اور ان کے شر و فساد کے درجے مختلف تھے۔ ان کی بعض ٹولیاں، جیسا کہ آگے اسی سورہ میں واضح ہوگا، نہایت خطرناک تھیں۔ انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے ایسی ایسی چالیں چلیں کہ ان میں سے ایک چال بھی اگر کامیاب ہو جاتی تو کھلے معاندین کی تمام چالوں پر بھاری ہوتی۔ ایسی ہی بعض ٹولیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر ہم نے تمہاری بعض ٹولیوں سے اس دنیا میں درگزر بھی کر لیا اور ان کے معاملے کو آخرت ہی پر اٹھا رکھا تو بعض ٹولیاں تو لازماً اسی دنیا میں ہمارے عذاب کی زد میں آئیں گی اور ہم ان کے جرائم کی پاداش میں ان کی بیخ کنی کر کے رہیں گے۔ چنانچہ آگے اسی سورہ میں مسجد ضرار کے بانیوں اور بعض دوسرے گروہوں کا ذکر آئے گا اور ان کا جو حشر ہوا وہ بھی بیان ہوگا۔

المنٰفقون والمنٰفقٰت بعضهم من بعض يأمرون بالمنكر و
ينهون عن المعروف و يقبضون ايديهم نسوا الله فنسيهم
ان المنٰفقين هم الفٰسقون ○ وعد الله المنٰفقين والمنٰفقٰت
والكفار نار جهنم خالدين فيها هي حسبهم ولعنهم الله ولهم
عذاب مقيم ○ كالذين من قبلكم كانوا اشد منكم قوة
واكثر اموالا واولادا فاستمتعوا بخلاقهم فاستمتعتم بخلاقكم
كما استمتع الذين من قبلكم بخلاقهم وخضتم كالذي خاضوا اولٰئك
حبطت اعمالهم في الدنيا والاٰخرة واولٰئك هم الخٰسرون ○ الم
يأتهم نبأ الذين من قبلهم قوم نوح وعاد وثمود وقوم ابراهيم
واصحٰب مدين والمؤتفكٰت اتتهم رسلهم بالبيّنٰت فما كان الله
ليظلمهم ولٰكن كانوا انفسهم يظلمون ○ ۶۷-۷۰

اب تک منافقین اپنے دعوائے ایمان کے سبب سے مسلمانوں کے ساتھ رلے ملے ہوئے تھے۔ یہ پہلی بار ان کی علامتیں بتا کر ان کو اہلِ ایمان سے چھانٹ کر الگ اور دنیا اور آخرت دونوں ہی اعتبار سے ان کو مسلمانوں کے بجائے کفار و مشرکین کا شریک و سہیم قرار دیا گیا ہے۔ یہ منافقین کو بھی تنبیہ ہے کہ وہ اپنے کو مسلمانوں کے اندر گھسائے رکھنے کی کوشش نہ کریں اور مسلمانوں کو بھی آگاہی ہے کہ وہ اس رنگ کی بھیڑوں کو اپنے گلے میں شامل نہ ہونے دیں۔ یہ گویا اسلامی معاشرہ کی غیر مطلوب عناصر سے تطہیر کی راہ میں پہلا قدم ہے اور یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جس طرح مسلمانوں نے کفار و مشرکین اور اہلِ کتاب سے اعلان برأت کر دیا ہے اسی طرح اپنے اندر کے ان نام نہاد مسلمانوں کو بھی چھانٹ کر الگ کریں جو اپنے اعمال و اخلاق میں انہی کفار و مشرکین کے ہم رنگ ہیں۔

اسلامی معاشرہ کی تطہیر

'المنٰفقون والمنٰفقٰت بعضهم من بعض' یہاں منافقین کے ساتھ منافقات کا بھی ذکر تصریح کے ساتھ فرمایا ہے اور دونوں کو برابر کا شریکِ جرم قرار دیا ہے تاکہ ان کو بھی تنبیہ ہو کہ جو انجام ان کے مردوں کا ہونے والا ہے وہ بھی اس سے بچنے والی نہیں ہیں اگر انہوں نے اپنے کو خدا کے غضب سے بچانے کی کوشش نہیں کی۔ دین کے معاملے میں تبعیت اور ماتحتی کوئی عذر نہیں ہے بلکہ اپنی نجات کے لیے جدوجہد ہر نفس

منافقین اور منافقات دونوں کا ایک ہی انجام

کی ، مرد ہو یا عورت ، خود اپنی ذمہ داری ہے ۔ اس سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ اس نفاق کے کھیل میں عورتوں کا بھی نمایاں حصہ تھا خاص طور پر اس پہلو سے کہ جان اور مال کی محبت نفاق کے اوّلین اسباب میں سے ہے اور اس محبت کو مردوں پر مستولی کرنے میں سب سے زیادہ ہاتھ عورتوں کا ہوتا ہے ۔ ایک حدیث میں ہے کہ بیوی بچے آدمی کو بخیل اور بزدل بنا چھوڑتے ہیں ۔ اوپر جن منافقین کا ذکر گزرا ہے ان کی اصل بیماری بھی بتائی گئی ہے کہ مال و اولاد کی محبت دین کے تقاضوں کے مقابل میں ان پر غالب آگئی ہے ۔

منافقین کی ہر بات دین کے برعکس

'یامرون بالمنکر وینھون عن المعروف و یقبضون ایدیھم' یعنی ان کی ہر بات دین کے برعکس ہے ۔ جن چیزوں کے لیے لوگوں کو ابھارنا چاہیئے ان سے یہ لوگوں کو روکتے ہیں اور جن چیزوں سے روکنا چاہیئے ان کے لیے لوگوں کو ورغلاتے ہیں ۔ بخل کے سبب سے خود اپنی مٹھیاں بھی بھینچے رہتے ہیں اور اللہ کے جو بندے اپنی گاڑھی کمائی میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان پر فقرے اور پھبتیاں چست کرکے ان کی دل شکنی کرتے ہیں ۔

منافقین کی بے توفیقی کا اصلی سبب

'نسوا اللہ فنسیھم' یہ ان کی اس بے توفیقی اور محرومی کا سبب بیان ہوا ہے کہ یہ الٹی چال یہ اس لیے چل رہے ہیں کہ یہ خدا کو بھلا بیٹھے ہیں اور سنت الٰہی ، جیسا کہ و من یعش عن ذکر الرحمٰن .... الآیہ ' والی آیت میں بیان ہوئی ہے ' یہ ہے کہ جو لوگ خدا کو بھلا بیٹھتے ہیں ان پر ایک شیطان مسلّط ہو جاتا ہے جو ان کی نکیل اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے ۔ پھر ایسے لوگوں کو خدا بھی بھلا دیتا ہے ۔ " بھلا دیتا ہے " یعنی ان کو نظر انداز اور توفیق خیر سے محروم کر دیتا ہے ۔ اللہ تعالٰے کی توفیق اور رہنمائی انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو اس کو یاد رکھتے ہیں ۔

اصلی غدار

'ان المنفقین ھم الفسقون' فاسق یہاں بدعہد اور نافرمان کے مفہوم میں ہے ۔ یعنی ان منافقوں کو ان کے اظہار اسلام کی بنا پر کوئی یہ نہ خیال کرے کہ یہ بہر حال یہ اسلام کے نام لیوا ۔ یہ اسلام کے نام لیوا نہیں بلکہ اصلی عہد شکن اور غدار یہی ہیں ۔ انہوں نے سمع و طاعت کا عہد کرکے اس کو توڑا ہے اور اسلام کا کلمہ پڑھ کر اس کی بیخ کنی کی کوشش کی ہے ۔ اس وجہ سے بدعہدی اور غداری میں جو درجہ ان کا ہے ، کسی کا بھی نہیں ۔

غداروں کا انجام

'وعد اللہ المنفقین والمنفقت والکفار نار جھنم خالدین فیھا' یہ ان کا آخرت میں انجام بیان ہوا ہے کہ یہ اسلام کے مدعی ہونے کے سبب سے کسی رعایت کے مستحق

نہیں ہوں گے بلکہ جس طرح کھلے ہوئے کفار جہنم میں ہمیشہ کے لیے جھونک دیئے جائیں گے اسی طرح اسلام کے یہ غدار جہنم میں ہمیشہ کے لیے جھونک دیئے جائیں گے۔ ' ھی حسبھم ' یعنی یہ جہنم ہی ان کا بھوس نکال دینے کے لیے کافی ہوگی۔ مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔

' لعنھم اللہ ولھم عذاب مقیم ' یعنی اللہ کی طرف سے ان پر لعنت ہو جائے گی جس کے نتیجے میں امید کے سارے دروازے ان پر بند ہو جائیں گے۔ ایک دائمی عذاب ان پر مسلط ہوگا جس سے کبھی بھی ان کو رہائی نصیب نہیں ہوگی۔

منافقین کو براہِ راست دھمکی

' کالذین من قبلکم ' یہ دھمکی ہے جو منافقین کو براہِ راست مخاطب کر کے دی گئی ہے جس سے اس میں زیادہ شدت پیدا ہوگئی ہے فرمایا کہ مال و اولاد کی کثرت جو تمہارے حصہ میں آئی ہے اس سے یہ غرّہ نہ ہو کہ خدا کی نظروں میں تمہارا رویّہ مبغوض نہیں ہے اس وجہ سے اس نے تم کو یہ کچھ دے رکھا ہے۔ تم سے پہلے جو قومیں گزری ہیں ان کو تم سے بھی زیادہ اللہ نے دے رکھا تھا۔ لیکن کیا ہوا؟ ان کے لیے اس دنیا سے جتنا فائدہ اٹھانا مقدر تھا جب انہوں نے اتنا فائدہ اس سے اٹھا لیا تو خدا نے ان کو ہلاک کر دیا۔ انہی کی طرح تم نے بھی اپنے حصہ سے فائدہ اٹھایا اور انہی کی طرح کی موشگافیاں اور بوالفضولیاں بھی کر چکے تو تمہاری تباہی کی ساعت بھی آ کھڑی ہے۔ جس طرح ان کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں ڈھے گئے اور وہ نامراد ہوئے اسی طرح تمہارے اعمال بھی دنیا اور آخرت میں ڈھے جائیں گے اور تم بھی نامراد ہوگے۔ مطلب یہ کہ مال و اولاد تو خدا شریروں اور بدبختوں کو بھی دے دیتا ہے۔ اس کے فیصلے اعمال و کردار پر صادر ہوتے ہیں۔

اقوامِ ماضی کے انجام کا حوالہ

' الم یاتھم نبأ الذین من قبلھم .... الآیہ ' یہ اوپر والی آیت کے اجمال کی تفصیل ہے۔ جن قوموں کی طرف اشارہ فرمایا تھا ان کا حوالہ دے دیا۔ ان تمام اقوام کی سرگزشتیں سورہ اعراف میں بیان ہو چکی ہیں۔ قوم ابراہیم ؑ سے مراد ان کی وہ قوم ہے جس کو انہوں نے توحید کی دعوت دی، پھر ان سے مایوس ہو کر اللہ کے حکم سے انہوں نے ہجرت فرمائی۔ ' موتفکٰت ' سے مراد قوم لوط کی بستیاں ہیں۔ اس لفظ سے ان بستیوں کی تعبیر کی وجہ دوسرے مقام میں واضح ہو چکی ہے۔ فرمایا کہ یہ قومیں جو تباہ ہوئیں تو اس وجہ سے نہیں کہ اللہ نے ان پر کوئی ظلم کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔ اللہ نے ان پر حجت تمام کرنے کے لیے اپنے رسول بھیجے لیکن انہوں نے انکو جھٹلایا اور اپنی سرکشی پر اڑی رہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خدا نے ان کو تباہ کر دیا۔ مطلب یہ کہ اس سرگزشت کا اعادہ تمہارے ذریعہ سے ہونے والا ہے۔

والمومنون والمومنات بعضهم اولياء بعض يامرون بالمعروف
وينهون عن المنكر ويقيمون الصلوٰة ويؤتون الزكوٰة ويطيعون الله
ورسوله اولٰئك سيرحمهم الله ط ان الله عزيز حكيم ○ وعد الله
المومنين والمومنٰت جنّٰت تجري من تحتها الانهار خالدين فيها
ومساكن طيبة في جنّٰت عدن ذٰلك هو الفوز العظيم ○ ۷۱-۷۲

مومنین اور مومنات کا کردار

منافقین اور منافقات کا کردار واضح کرنے کے بعد اب یہ مومنین اور مومنات کا کردار واضح کیا جا رہا ہے۔ ان کی بابت فرمایا تھا کہ ان کے مرد اور عورتیں سب ایک ہی چٹے کے بٹے ہیں۔ نفاق کی پرورش میں دونوں کی سرگرمیاں یکساں ہیں۔ ان کی بابت فرمایا کہ یہ ایمان کے مقتضیات و مطالبات کی تعمیل و تکمیل میں ایک دوسرے کے ساتھی، دست و بازو اور ہمدرد و غم گسار ہیں۔ مومن بندے جب اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کے لیے نکلتے ہیں تو مومنہ بندیاں ان کے پاؤں کی زنجیر اور گلے کا پھندا بننے کی کوشش نہیں کرتیں بلکہ سچے دل سے ان کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں اور اپنے ایثار، اپنی دعاؤں اور اپنی بے لوث وفاداری اور امانت داری سے ان کے جہاد میں تعاون کرتی ہیں اور اس طرح خود بھی جہاد کے اجر و ثواب میں شریک بنتی ہیں۔

منافقین اور منافقات کا حال یہ ہے کہ منکر کا حکم دیتے اور معروف سے روکتے ہیں، برعکس ان کے مومنین اور مومنات معروف کا حکم دیتے اور منکر سے روکتے ہیں۔

منافقین اور منافقات انفاق سے اپنے ہاتھ روکے ہوئے ہیں اور اللہ کو انہوں نے بھلا رکھا ہے لیکن مومنین اور مومنات کا حال یہ ہے کہ 'یقیمون الصلوٰۃ' وہ نماز کا اہتمام کرتے ہیں جو ذکر الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ 'ویؤتون الزکوٰۃ' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں جو آدمی کے ہاتھ کو راہ خدا میں انفاق کے لیے کھولتی اور اس کے بخل کو دور کرتی ہے۔

منافقین اور منافقات کا حال یہ ہے کہ وہ بدعہد اور غدار ہیں۔ 'ان المنٰفقين هم الفٰسقون'۔ برعکس اس کے مومنین اور مومنات کا حال یہ ہے کہ 'یطیعون اللہ و رسولہ' اللہ اور رسول سے سمع و طاعت کا جو عہد انہوں نے باندھا ہے ہر مرحلہ میں پوری راستبازی اور کامل وفاداری سے اس کو نباہ رہے ہیں۔

'سیرحمهم الله ان الله عزیز حکیم' ظاہر ہے کہ جب اللہ کے ساتھ دونوں کا معاملہ الگ الگ ہے تو اللہ کا معاملہ بھی دونوں کے ساتھ مختلف ہے۔ منافقین اور منافقات کے لئے اوپر لعنت مذکور ہوئی ہے۔ اس کے مقابل میں مومنین اور مومنات کے لیے اللہ کی رحمت ہے۔ خدا عزیز

اور حکیم ہے۔ اس کی قدرت اور حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ اس کا ہر معاملہ عدل اور رحمت پر مبنی ہو۔ حرف 'سین' اس رحمت کے ظہور کی قربت کی بشارت ہے کہ اب اس میں زیادہ دیر نہیں ہے، ظاہر ہی ہوا چاہتی ہے۔

مومنین اور مومنات سے اللہ کا وعدہ

وعد اللہ المومنین ... الآیہ: یہ آیت اوپر کی آیت ۶۸ کے مقابل میں ہے۔ اس میں وعید منافقین اور منافقات کے لیے مذکور ہوئی۔ اس میں اللہ کا وعدہ مومنین اور مومنات کے لیے بیان ہوا ہے۔ لفظ 'رضوان' اور لفظ 'عدن' پر دوسرے مقام میں بحث گزر چکی ہے۔ یہاں یہ اس لعنت کے مقابل میں ہے جو اوپر منافقین کے لیے مذکور ہے۔ جس طرح لعنت تمام نقمتوں اور ابدی محرومیوں کی ایک جامع تعبیر ہے، اسی طرح 'رضوان' تمام رحمتوں اور لازوال و بے پایاں نعمتوں اور مسرتوں کی ایک جامع تعبیر ہے۔ اس لیے فرمایا کہ یہ بہت بڑی چیز اور بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس آیت کو پڑھتے ہوئے اوپر 'اولٰئک ھم الخاسرون' کے ٹکڑے کو پیش نظر رکھیے۔ تقابل نظم کے کھولنے اور حقائق کی توضیح میں بہت معین ہوتا ہے۔

۱۲۔ آگے کا مضمون آیات ۷۳ - ۸۰

آگے کی آیات میں پہلے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت فرمائی کہ یہ منافقین تمہاری نرمی اور کریم النفسی سے فائدہ اٹھا کر اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں، اب ان کے بارے میں اپنا رویہ سخت کرو تاکہ درست ہونا ہو تو یہ درست ہوں ورنہ اپنے کیفر کردار کو پہنچیں۔ یہ اپنی مجلسوں میں کفریہ کلمات بکتے اور جھوٹی قسموں سے تم کو مطمئن کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے ارادے نہایت خطرناک تھے لیکن اللہ نے وہ پورے نہیں ہونے دیئے۔ اب ان کو مزید مہلت دینے کی گنجائش نہیں۔ اللہ اور رسول نے ان کو اپنے فضل سے جو نوازا تو یہ چیز ان کے لیے شکر گزاری اور ممنونیت کے بجائے شرارت اور اسلام دشمنی کا باعث بن گئی۔ یہ اظہار تو یہ کرتے تھے کہ اللہ نے انہیں مال دیا تو وہ پوری فیاضی سے خدا کی راہ میں خرچ کریں گے لیکن جب اللہ نے انہیں مال دیا تو انہوں نے اللہ اور رسول سے منہ پھیر لیا اور ان کے اس رویہ نے ان کے دلوں میں نفاق کی جڑیں اتنی مضبوط جما دی ہیں کہ اب وہ اکھڑ نہیں سکتیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہی نہیں کہ یہ خود بخیل بن بیٹھے ہیں بلکہ اللہ کے جو مخلص بندے اپنی گاڑھی کمائی میں سے خوش دلی اور نیازمندی سے خرچ کرتے ہیں یہ ان کا بھی مذاق اڑاتے اور ان کی دل شکنی کرتے ہیں تاکہ وہ بھی خرچ کرنے سے رک جائیں۔ ساتھ ہی نہایت شدت کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لیے استغفار کرنے سے روک دیا ہے کہ اب یہ تمہاری طرف سے اس رأفت و رحمت کے سزاوار نہیں رہے بلکہ ہر پہلو سے شدت ہی کے سزاوار ہیں ـــ آیات کی تلاوت فرمایئے۔

آیات ۷۳-۸۰ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَاهُمْ
جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝٧٣ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا
كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۚ وَمَا
نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ
خَيْرًا لَهُمْ ۖ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ
وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝٧٤ وَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللَّهَ لَئِنْ
آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝٧٥ فَلَمَّا
آتَاهُمْ مِنْ فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ ۝٧٦ فَأَعْقَبَهُمْ
نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَ
بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ۝٧٧ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ
وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝٧٨ الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ ۙ
سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝٧٩ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ
لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ
بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝٨٠

ترجمہ اے نبی کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سخت بن جاؤ۔ اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ نہایت ہی برا ٹھکانا ہے۔ یہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انھوں نے نہیں کہا حالانکہ انھوں نے کفر کا کلمہ کہا اور اپنے اسلام کے اظہار کے بعد کفر کا ارتکاب کیا۔ اور انھوں نے وہ چاہا جو وہ نہ پا سکے۔ ان کا یہ غصہ صرف اس بات کا کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان کو اپنے فضل سے غنی کیا۔ اگر یہ توبہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہے اور اگر یہ اعراض کریں گے تو خدا ان کو دردناک عذاب دے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور زمین میں نہ کوئی ان کا یار ہوگا نہ مددگار۔ ۷۳-۷۴

اور ان میں سے وہ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر اللہ نے ہمیں اپنے فضل سے نوازا تو ہم خوب صدقہ کریں گے اور خوب نیکیاں کرنے والوں میں سے ہوں گے تو اللہ نے جب ان کو اپنے فضل میں سے عطا فرمایا تو وہ اس میں بخیل بن بیٹھے اور برگشتہ ہو کر منہ

پھیر لیا۔ تو اس کی پاداش میں خدا نے ان کے دلوں میں اس دن تک کے لیے نفاق جما دیا جس دن وہ اس سے ملیں گے بوجہ اس کے کہ انہوں نے اللہ سے کئے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی کی اور بوجہ اس کے کہ وہ جھوٹ بولتے رہے۔ کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ ان کے راز اور ان کی سرگوشی کو جانتا ہے اور اللہ تمام غیب کو جاننے والا ہے۔ ان لوگوں کی سرگوشیوں کو جو خوش دلی سے انفاق کرنے والے اہل ایمان پر ان کے صدقات کے باب میں نکتہ چینی کرتے ہیں اور جو غریب صرف اپنی محنت مزدوری ہی سے انفاق کرتے ہیں تو ان پر پھبتیاں چست کرتے ہیں۔ اللہ نے ان کا مذاق اڑایا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ان کے لیے مغفرت چاہو یا نہ چاہو۔ اگر تم ان کے لیے ستر بار بھی مغفرت چاہو گے تو بھی اللہ ان کو بخشنے والا نہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور اللہ بد عہدوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔ ۷۵-۸۰

۱۳- الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

یاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ وَمَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ۔ ۷۳

منافقین کے باب میں رویہ کی تبدیلی کی ہدایت

اصلاً تو یہاں مقصود صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر کی تاکید ہے کہ آپ اپنا رویہ منافقین کے باب میں یکسر تبدیل کر لیں اور شدت کے ساتھ ان کا احتساب کریں لیکن ساتھ ہی کفار کا بھی حوالہ دے دیا ہے جس سے اس امر کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ اب یہ منافقین مسلمانوں کے زمرہ کے لوگ نہیں ہیں بلکہ یہ بھی کفار ہی کے زمرہ میں شامل ہیں۔ جہاد کا لفظ قتال اور شدت احتساب و داروگیر سب پر حاوی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کفار کے ساتھ اس نوعیت کا جہاد کرو جس کا تمہیں اعلان براءت کے تحت تفصیل سے حکم دیا جا چکا ہے اور ان منافقین کے ساتھ احتساب اور داروگیر کا جہاد کرو۔ 'واغلظ علیھم' اسی احتساب اور داروگیر کی وضاحت ہے۔ یعنی اب تک تم نے ان کے ساتھ نرمی و رأفت کا جو رویہ رکھا اس کی قدر انہوں نے نہیں پہچانی۔ یہ تمہاری کریم النفسی سے فائدہ اٹھا کر اپنی شرارتوں میں اور دلیر ہوتے چلے گئے۔ جھوٹے بہانوں اور جھوٹی قسموں کو انہوں نے اپنے لیے سپر بنا رکھا ہے اور تم اپنی طبیعت کی نرمی کے سبب سے ان کی چالوں سے آگاہ ہونے کے باوجود طرح دے جاتے ہو۔ اب اس کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔ اب ان کو اچھی طرح کسو اور ہر معاملے میں سخت کسوٹی پر پرکھو تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ یہ جھوٹ اور فریب کی نقاب ان کے چہروں پر باقی رہنے والی

نہیں ہے۔ اب یا تو انہیں مسلمانوں کی طرح مسلمان بن کر رہنا ہوگا یا اس انجام سے دوچار ہونا پڑے گا جو کفار کے لیے مقدر ہو چکا ہے۔ آیت ۴۳ "عفا اللہ عنک لم اذنت لھم ... الآیۃ" کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں ایک نظر اس پر بھی ڈال لیجئے اس لیے کہ یہ ہدایت اسی کی توضیح مزید ہے۔

"وما وٰھم جھنم و بئس المصیر" یعنی اس دنیا میں یہ تمہاری اور اہلِ ایمان کی سختی اور سخت گیری کے سزاوار ہیں اور اس کے بعد ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو نہایت برا ٹھکانا ہے۔ اس لیے کہ اس پر ایسے سخت گیر ملائکہ مامور ہیں جو ذرا بھی نرمی نہیں برتیں گے بلکہ ان کے باب میں خدا کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔ علیھا ملائکۃ غلاظ شداد لا یعصون اللہ ما امرھم۔ التحریم ۔۶

یحلفون باللہ ما قالوا و لقد قالوا کلمۃ الکفر وکفروا بعد اسلامھم و همّوا بما لم ینالوا وما نقموا الا ان اغنٰھم اللہ ورسولہ من فضلہ فان یتوبوا یک خیرا لھم وان یتولوا یعذبھم اللہ عذابا الیما فی الدنیا والاٰخرۃ ومالھم فی الارض من ولی ولا نصیر ۔ ۷۴

منافقین کا جھوٹ اور کفرِ غلیظ

"یحلفون باللہ ما قالوا" اوپر آیت ۶۵ میں گزر چکا ہے کہ منافقین اپنی مجالس میں اللہ کا، اس کی آیات کا اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے لیکن جب ان سے پوچھ گچھ ہوتی تو اصل بات گول کر جاتے اور قسم کھا کر اطمینان دلاتے کہ ہم نے اس قسم کی کوئی بات نہیں کہی، ہم تو محض ہنسی دل لگی کر رہے تھے۔ فرمایا کہ ان کی یہ قسمیں جھوٹی ہیں۔ یہ کفر کا کلمہ بکتے ہیں اور پوچھ گچھ ہوتی ہے تو مکر جاتے ہیں۔ اوپر والی آیت میں ان کو زمرۂ کفار میں جو شامل کیا ہے یہ گویا اس کی دلیل بیان ہوئی ہے۔

"وکفروا بعد اسلامھم" یہ ان کے جرم کی سنگینی کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اظہار تو اسلام کا کیا لیکن اپنے اس استہزاء سے ارتکاب کفر کا کیا۔ یہ امر واضح رہے کہ دعویٰ اسلام کا کرنا اور عمل سے اثبات کفر کا کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک صریح کفر سے زیادہ مبغوض ہے۔ اس لیے کہ اس میں کفر کے ساتھ اللہ اور رسول اور اہلِ ایمان کے ساتھ دھوکہ بازی بھی شامل ہو جاتی ہے جو کھلے ہوئے کفر میں نہیں ہوتی۔ اسی حقیقت کی طرف سورہ صف میں یوں اشارہ فرمایا ہے۔ (یا ایھا الذین اٰمنوا لم تقولون ما لا تفعلون ○ کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون "(اے ایمان والو، تم اس چیز کا دعوےٰ کیوں کرتے ہو جو کرتے نہیں، اللہ کے نزدیک یہ بات زیادہ مبغوض ہے کہ تم جو کرتے نہیں اس کا دعویٰ کرو) اسی بنا پر منافقین، جیسا کہ قرآن میں تصریح ہے، دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔

منافقین کے خفیہ منصوبے اور ان کی نامرادی

'وھموا بما لم ینالوا' یہ دو لفظوں میں نہایت بلاغت کے ساتھ ان کے تمام خفیہ منصوبوں اور ساتھ ہی ان کی محرومیوں اور ناکامیوں کی طرف اشارہ فرمادیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا بس چلتا تو انہوں نے تو وہ وہ منصوبے بنائے تھے کہ اسلام کی جڑ ہی اکھاڑ کے پھینک دیتے لیکن اللہ نے ان کے ارادوں کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ آیت ۸۴ کے تحت ہم منافقین کی بعض فتنہ پردازیوں اور شرارتوں کا ذکر کر آئے ہیں اور آگے ان کی مزید شرارتوں کا ذکر آئے گا لیکن ہر موقع پہ انہوں نے منہ کی کھائی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بر سرِ موقع ان کا راز فاش کردیا۔

منافقین کی کم ظرفی اور ناسپاسی

'مانقموا الا ان اغنٰھم اللہ ورسولہ' یہ ان کی تنگ ظرفی اور کمینگی کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ و رسول نے تو ان پہ احسان فرمایا لیکن انہوں نے اس احسان کا یہ حق ادا کیا کہ اللہ اور رسول کا مذاق اڑاتے اور رات دن اسلام کی بیخ کنی کی سازش کرتے ہیں۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مدینہ کے عام لوگ اسلام سے پہلے بیشتر نہایت غریب تھے۔ اسلام کے بعد جب فتوحات کے دروازے کھلے تو یوں تو بحیثیت مجموعی سب ہی کے حالات بدل گئے لیکن خاص طور پہ منافقین کے تو دن پھر گئے۔ اوّل تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دلداری کے خیال سے ان کو دیتے بھی زیادہ تھے، پھر یہ اپنی طمّاعی کے سبب سے لیتے بھی سو بہانوں سے تھے۔ مزید برآں ان کے پاس صرف لینے ہی والے ہاتھ تھے دینے والے ہاتھ سرے سے تھے ہی نہیں۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا کوئی موقع آتا تو، اوپر بھی ذکر ہوا اور آگے بھی تفصیل آرہی ہے، صاف کترا جاتے۔ اس طرح یہ لوگ مالدار بن گئے' اور اس مالداری کا صلہ اسلام کو، جس کے نام پہ وہ مالدار بنے، انہوں نے یہ دیا کہ اس کے خلاف سازشیں اور ریشہ دوانیاں کرتے رہے۔

منافقین کو دھمکی

'فان یتوبوا یک خیرا لھم .... الآیۃ' یہ ان کو دھمکی ہے کہ اگر یہ توبہ کرلیں تو انہی کے حق میں بہتر ہے ورنہ یاد رکھیں کہ خدا انہیں دنیا میں بھی عذاب دے گا اور آخرت میں بھی۔ یہ دنیا میں اُس عذاب میں حصہ دار ہوں گے جو کفار و مشرکین کے لیے مقدر ہو چکا ہے اور آخرت میں بھی انہی کے ساتھ ہوں گے۔ اور یہ بھی اچھی طرح یاد رکھیں کہ اس سرزمین پر نہ ان کا کوئی یار ہوگا، نہ مددگار۔ جن کے ساتھ ان کا ساز باز ہے ان سب پر عنقریب نفسی نفسی کا وہ وقت آنے والا ہے کہ وہ خود اپنی مدد نہیں کرسکیں گے تو ان کی مدد وہ کیا کریں گے۔

'ومنھم من عاھد اللہ لئن اتانا من فضلہ لنصّدّقن ولنکونن من الصّٰلحین ○ فلمّا اتاھم من فضلہ بخلوا بہ وتولوا وّھم معرضون ○ فاعقبھم نفاقا فی قلوبھم الی یوم یلقونہ' بما

اخلفوا اللہ ما وعدوہ و بما کانوا یکذبون ۵ ۷۵-۷۷

انسان کی ایک عجیب کمزوری

'ومنھم من عاھد اللہ .... الآیۃ' یہ انہی اسلام کی بدولت مالدار بنے ہوئے کچھ لوگوں کی طرف اشارہ ہے کہ جب یہ غریب تھے تو اس وقت تو ان کا حال یہ تھا کہ ہر جگہ یہ اپنے اس شوق اور اس تمنا کا اظہار کرتے پھرتے تھے کہ اگر ہمارے حالات بھی اللہ نے سدھار دیئے تو ہم بھی خدا کی راہ میں خوب خوب خرچ کریں گے اور دین کی بڑی بڑی خدمتیں کرکے صالحین میں اپنا نام روشن کریں گے، لیکن جب اللہ نے اپنے فضل سے ان کی تمنا پوری کر دی اور دینے کا وقت آیا تو اس طرح منہ پھیر کر چل دیئے ہیں گویا اللہ اور رسول سے کبھی ان کا کوئی قول و قرار تھا ہی نہیں۔ "چل دینا" کبھی اس نوعیت کا ہوتا ہے جس کے بعد مڑ کے آنے کی توقع ہوتی ہے لیکن یہاں 'تولّی' کے بعد 'وھم معرضون' کی قید نے یہ واضح کر دیا کہ انفاق کا نام سن کر وہ اس طرح چل دیتے ہیں کہ پھر مڑ کے دیکھتے بھی نہیں۔

یہ انسان کی عجیب کمزوری ہے کہ جب تک ایک چیز اس کو حاصل نہیں ہوتی اس وقت تک تو یہ تمنا کرتا ہے کہ اگر مجھے یہ حاصل ہو جائے تو دوسروں کی طرح میں اس کو کسی غلط مصرف میں ضائع نہیں کروں گا بلکہ اس کو فلاں اور فلاں اعلیٰ مقاصد میں صرف کرکے نیکی اور عدل کی ایک نظیر قائم کر دوں گا لیکن جب اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز دے دیتا ہے تو اسے یہ بات یاد بھی نہیں رہتی کہ اسی چیز کے لیے اس نے اپنے رب سے دل میں کیا کیا قول قرار کئے ہیں اور کس کس طرح اپنی تمناؤں کا اظہار کیا ہے، بلکہ اس کو اپنی قابلیت اور اپنے استحقاق کا ثمرہ سمجھ کر وہ اس کا مالک بن بیٹھتا ہے اور خدا سے زیادہ اس کو شیطان کے لیے استعمال کرتا ہے۔ بہت کم خوش قسمت ایسے نکلتے ہیں جو نعمت پاکر منعم کا حق پہچانیں اور اس کو صحیح صحیح استعمال کریں۔

'فاعقبھم نفاقا فی قلوبھم .... الآیۃ' 'اعقاب' کے معنی ایک شے کے بعد دوسری چیز کو اس کے ثمرہ اور نتیجہ کے طور پر ظہور میں لانا ہے۔

نفاق کی جڑ جمانے والا عمل

یعنی جن لوگوں نے اللہ سے اپنے کئے ہوئے وعدے کی اس طرح خلاف ورزی کی اور برابر جھوٹ بولتے رہے خدا نے ان کے اس عمل کی پاداش میں ان کے دلوں کے اندر نفاق کی ایسی جڑ جما دی ہے جو خدا کی ملاقات کے دن تک اسی طرح جمی رہے گی اور اسی وقت اکھڑے گی جب جزائے اعمال کا مرحلہ بالکل سامنے ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے نفاق کی رضاعت و پرورش پہ ایک مدت صرف کر دی ہے۔ یہ چیز اتفاقاً ان کے اندر نہیں گھس آئی ہے بلکہ ان کے ایک دانستہ نقض عہد اور طویل جھوٹ اور فریب کا مولود فساد ہے جس سے ان کی جان اب مرکے ہی چھوٹے گی۔ یہ توقع نہ رکھو کہ ان کو توبہ اور اصلاح کی توفیق ہوگی۔ اب تو ان کے دلوں کا یہ کثیف پردہ اسی وقت ہٹے گا جب یہ اصل حقیقت کو سورج کی طرح سامنے دیکھ لیں گے۔ اسی سے ملتی جلتی بات آگے مسجد ضرار کے

بانیوں سے متعلق فرمائی ہے۔ لایزال بنیانھم الذی بنوا ریبۃً فی قلوبھم الّا ان تقطّع قلوبھم واللہ علیم حکیم۔ ۱۱۰ (یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ان کے دلوں میں ہمیشہ شک کی تعبیر بن کر چبھی رہے گی الّا آنکہ ان کے دل پارہ پارہ ہو جائیں اور اللہ علیم و حکیم ہے)

الم یعلموا ان اللہ یعلم سرھم ونجواھم وان اللہ علّام الغیوب ٥ الذین یلمزون المطّوّعین من المومنین فی الصدقات والذین لایجدون الّا جھدھم فیسخرون منھم۔ سخر اللہ منھم ولھم عذاب الیم۔ ۷۸-۷۹

منافقین کی بلادت

'الم یعلموا ان اللہ' یہ اسلوب کلام استعجاب اور حسرت کے اظہار کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اتنی طویل تعلیم و تربیت، ایسی مسلسل سعیٔ تطہیر و تزکیہ اور اتنے بے شمار حقائق کے انکشاف کے بعد بھی کیا یہ لوگ اتنے ٹھس اور غبی ہیں کہ اتنی موٹی سی بات بھی یہ نہ سمجھ سکے کہ خدا ان کے سارے راز اور ساری سرگوشیوں کو جانتا ہے اور اللہ تمام غیب کا عالم ہے۔ یہ بات ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ خدا ہر چیز کو فعلاً بھی جانتا ہے اور صفتہً بھی، اسی وجہ سے یہاں اور اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ قرآن کے دوسرے مقامات میں، خدا کے احاطۂ علم کو فعل کے صیغہ سے بھی واضح کیا گیا ہے اور صفت کے صیغہ سے بھی۔ باعتبار نظم یہ آیت آگے والی آیت کی تمہید ہے جس میں ان منافقین کی ان نکتہ چینیوں اور سرگوشیوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے جو وہ مومنین مخلصین کی حوصلہ شکنی کے لیے اپنے حلقوں میں کرتے رہتے تھے۔

'الذین یلمزون المطّوّعین ... الآیۃ'۔ 'الذین' یہاں میرے نزدیک 'نجواھم' میں 'ھم' سے بدل ہے اگرچہ مجھے اس پر پورا جزم نہیں ہے لیکن میں نے ترجمہ میں اسی کا لحاظ رکھا ہے۔ کشاف میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔

متطوع

'متطوع' اور 'مطّوّع' دونوں ایک ہی لفظ ہیں۔ 'مطّوّع' اس کو کہتے ہیں جو صرف فرائض و واجبات ہی ادا کر لینے پر قناعت نہ کرے بلکہ اپنی خوشی اور حوصلہ مندی سے نفلی نیکیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے۔

'لمز' کے معنی عیب لگانا، ہجو کرنا، مذمت کرنا۔

منافقین کا ہمز و لمز

اوپر کی آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ منافقین اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ صرف یہی نہیں کہ خود خرچ نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی خدا کی راہ میں خرچ کرتے دیکھ نہیں سکتے۔ جس کو خرچ کرتے دیکھتے ہیں اس کو اپنے ہمز و لمز کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔ جو فیاض اور مخلص مسلمان فیاضی اور خوشدلی سے خدا کی راہ میں دیتے ہیں ان کو تو کہتے ہیں کہ یہ ریاکار اور شہرت پسند ہے، اپنی دینداری اور سخاوت کی دھونس

جتانے کے لیے ایسا کرتا ہے۔ جو غریب بیچارے کچھ رکھتے ہی نہیں، اپنی محنت مزدوری کی گاڑھی کمائی ہی میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ان کی حوصلہ شکنی کے لیے ان کا یہ مذاق اڑاتے اور ان پر پھبتیاں چست کرتے ہیں کہ لو آج یہ بھی اٹھے ہیں کہ حاتم کا نام دنیا سے مٹا کر رکھ دیں !!

بخیلوں کی نفسیات کا ایک خاص پہلو

بخیلوں اور کنجوسوں کی نفسیات کا یہ پہلو ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ اپنی بخالت پر پردہ ڈالے رکھنے کے لیے ان کی کوشش ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ دوسرے بھی بخیل بنے رہیں۔ نکٹا دوسروں کو بھی نکٹا ہی دیکھنا چاہتا ہے تاکہ اسے کوئی نکٹا کہنے والا باقی نہ رہے۔ یہی نفسیات ان منافقین کی بھی تھیں۔ پھر اس سے ان کے اسلام دشمنی کے جذبے کو تسکین ہوتی تھی۔ وہ خود اسلام کے لیے نہ کوڑی خرچ کرنا چاہتے تھے نہ اس پر راضی تھے کہ کوئی دوسرا خرچ کرے۔ اپنی اس خواہش کے برخلاف وہ دوسروں کو جب دیکھتے کہ وہ اسلام کے لیے سب کچھ اس دریا دلی سے لٹا رہے ہیں گویا اپنا ہی گھر بھر رہے ہیں یہاں تک کہ مزدور اپنی مزدوری ہی میں سے، بیوی بچوں کا پیٹ کاٹ کر، اس خوشی سے دیتا ہے گویا اپنی سیر آدھ سیر کھجور یا جَو کے عوض دولتِ کونین خرید رہا ہے تو ان منافقین کے سینے پر سانپ لوٹ جاتا۔ وہ غصّہ سے کھولتے اور حسد سے جلتے، پھر اپنے دل کا بخار طعن و تشنیع، طنز اور پھبتی سے نکالتے۔

اللہ کی ڈھیل

'سخر اللہ منھم' اسی طرح کا فقرہ ہے جس طرح بقرہ میں فرمایا ہے۔ 'اللہ یستھزئ بھم' یعنی یہ تو اہلِ ایمان کا مذاق اڑا رہے ہیں لیکن اللہ ان کا مذاق اڑا رہا ہے کہ ان کی رسی دراز کئے جا رہا ہے کہ یہ خوب کلیلیں کر لیں۔ تب ان کو وہاں سے پکڑے جہاں سے پکڑے جانے کا ان کو سان گمان بھی نہ ہو۔

'استغفر لھم اولا تستغفر لھم ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم، ذٰلک بانھم کفروا باللہ و رسولہ، واللہ لا یھدی القوم الفسقین' ۸۰

سخت گیری کی سخت تاکید

یہ اسی سختی اور سخت گیری کی تاکید پر مبنی ہے جس کی ہدایت 'واغلظ علیھم' کے الفاظ سے فرمائی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت و شفقت تھے اس وجہ سے ان منافقین کی تمام شرارتوں اور فتنہ انگیزیوں کے باوجود، ان کی اصلاح اور نجات آپ کو اس قدر عزیز تھی کہ جس طرح آپ اپنی تمام امّت کے لیے برابر خدا سے مغفرت چاہتے رہتے تھے اسی طرح ان کے لیے بھی برابر نجات کی دعا کرتے رہتے۔ لیکن ان کی شقاوت اس درجہ بڑھ گئی کہ یہ اس بات کو بھی گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں تھے کہ کوئی دوسرا اسلام کی کوئی خیر خواہی کرے بلکہ ہر خیر خواہ کے حوصلہ کو پست کرنا انہوں نے اپنا پیشہ ٹھہرا لیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان اشقیا کے لیے استغفار سے روک دیا اور اس شدت و قطعیت کے ساتھ کہ اگر تم ستّر بار بھی ان کے لیے استغفار

کروگے جب بھی اللہ ان کو معاف نہیں کرنے کا۔ ظاہر ہے کہ یہاں ستر کا عدد گنتی کو نہیں بلکہ کثرت کو ظاہر کرتا ہے۔ کثرت اور بے پایاں کثرت کے اظہار کے لیے یہ اسلوب عربی میں بھی معروف ہے اور ہماری زبان اردو میں بھی ہے۔

'ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ' یہ سبب بیان ہوا ہے اس شدت و قطعیت کے ساتھ مغفرت سے محروم ہونے کا۔ یعنی مغفرت تو ان کے لیے ہے جو اللہ اور اس کے رسول کو ماننے والے ہوں۔ یہ اللہ اور رسول کے ماننے والے کب ہیں کہ اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ یہ واضح رہے کہ یہ ان لوگوں کے عدم ایمان کا اعلان ہو رہا ہے جو نہ صرف اللہ اور رسول پر ایمان کا دعوے کرتے تھے بلکہ، جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے، دکھاوے کی نمازیں بھی پڑھ لیتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی انہی کرتوتوں کی بنا پر جو اوپر مذکور ہوئیں ان کے ایمان کو تسلیم نہیں کیا۔

'وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ' ہدایت یہاں غایت و مقصد کی ہدایت کے مفہوم میں ہے۔ اوپر آیت ۶۶، میں 'كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ' کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا

مبادئ

تدبرِ قرآن

از :— مولانا امین احسن اصلاحی

عمدہ سفید کاغذ پر آفسٹ کی طباعت میں

بڑا سائز یعنی ۲۲×۱۸/۸ کے ۰۰۲ صفحات پر مشتمل * مضبوط جلد اور دبیز آفسٹ پیپر کے خوشنما ڈسٹ کور کے ساتھ

بقول مصنف: "..... میں ہر اس شخص کو جو ہمارے طریقہ پر قرآن پر غور کرنا چاہتا ہو، یہ مشورہ دونگا کہ وہ اس کتاب کو نہ صرف ایک بار بلکہ بار بار غور سے پڑھ لے، اسی سے تدبر قرآن کے ان اصولوں کی رہنمائی ہوگی جو میں نے اپنے استاد سے سیکھے تھے اور جو میں نے اپنی تفسیر میں ملحوظ رکھے ہیں۔ میرے نزدیک یہی اصول ہیں جو ہمارے سلف صالحین میں سے ان لوگوں نے ملحوظ رکھے جن کو علم قرآن میں سے حصہ ملا اور آج بھی وہی لوگ قرآن میں سے کوئی حصہ پائیں گے جو ان اصولوں کو رہنما بنا کر قرآن میں غور کریں گے۔"

قیمت : -/۷ روپے۔ (محصول ڈاک ایک روپیہ)

دار الاشاعت الاسلامیہ لاہور

فضیلتِ ابوبکرؓ و عمرؓ

اردو ترجمہ

قرۃ العینین فی تفضیل الشیخینؓ

تالیف

شاہ ولی اللہ دہلویؒ

(امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی چونکہ اپنے عہد (بارہویں صدی ہجری) کے مجدد بھی تھے اس لیے اپنے ماحول کا جائزہ لینے کے بعد مسلمانوں کے عقائد و افکار کی اصلاح کے لیے جو عظیم الشان تجدیدی کارنامے انجام دیئے اُن میں ان کی مایۂ ناز تصنیف " قرۃ العینین فی تفضیل الشیخینؓ "، گل سرسبد کی حیثیت رکھتی ہے۔

جس طرح آٹھویں صدی کے مجدد اعنی حضرت امام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) نے "منہاج السُّنۃ" لکھ کر ابطال باطل اور احقاق حق کا فریضہ انجام دیا اور پیروانِ دین محمدی کو اپنا ممنون احسان بنایا تھا اسی طرح بارہویں صدی کے مجدد نے "قرۃ العینین" لکھ کر ضلالت اور گمراہی کے قلعے کو مسمار کر دیا اور دشمنانِ دین کے طلسم کو پاش پاش کر دیا۔ چنانچہ شاہ صاحب خود فرماتے ہیں

" مذاہب مبتدعہ کے ظہور کی وجہ سے تفضیل شیخین کے مسئلے میں لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوگئے ہیں حتیٰ کہ حق (عقیدۂ تفضیل شیخینؓ) مخفی ہوگیا ہے اس لیے میں نے اس کتاب میں شیخین کی تفضیل تمام صحابہؓ پہ ثابت اور واضح کر دی ہے"۔

یہ کتاب مستطاب تین سو تیس صفحات کو محیط ہے اور اپنے موضوع (تفضیلِ شیخینؓ) پر حرفِ آخر کا حکم رکھتی ہے اور اس بات کا ثبوت فہرست مضامین کے سرسری مطالعے سے بھی مل سکتا ہے۔ من شاء فلیراجع۔ میرا ارادہ تو یہ تھا کہ اس ضخیم کتاب کی تلخیص پر اکتفا کیا جائے لیکن اخویم اسرار احمد سلمہٗ نے اصرار کیا کہ پوری کتاب کا ترجمہ شائع کرنا زیادہ مناسب

اور مفید ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے اللہ کا نام لے کر اس ہفت خوان پر تم کو طے کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اللہ انہیں اس عظیم الشان دینی خدمت کی بیش از بیش توفیق ارزانی فرمائے۔ ترجمہ مکمل ہو جانے کے بعد ادارہ اسے کتابی صورت میں شائع کریگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

بظاہر یہ کتاب فارسی میں ہے مگر در اصل نصف کے قریب اس کا متن عربی میں ہے اور عربی بھی عالمانہ ہے۔ قارئین کی خوش نصیبی ہے کہ مترجم ایک معروف اہل قلم ہیں جو اردو، فارسی، عربی اور انگریزی چاروں زبانوں پر استادانہ قدرت رکھتے ہیں اور متعدد علمی کتب کا ترجمہ کر چکے ہیں۔

میں صدق دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس ترجمے کو قارئین کے حق میں مفید بنائے۔ فاضل مترجم کو تکمیل کی توفیق ارزانی فرمائے، اور برادرم سلمہ کی اس خدمت کو شرف قبول عنایت فرمائے۔ ——— سلیم چشتی الحسینی عفی عنہ]

ہر حمد اسی اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہانوں کے لیے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جملہ مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی۔ چنانچہ آدم اور ہر وہ شخص جو آدم کے زیر ہے آپ کے لطف و کرم کا طالب ہے۔ اسی اللہ نے آپؐ کو وہ اصحاب بخشے جو آپؐ کی ہدایت کے مطابق عمل پیرا رہے۔ اور جس سمت آپؐ کا رخ رہا وہ اسی رُخ آپؐ کا اقتدا کرتے رہے، اسی اللہ نے آپؐ کے اصحاب میں سے فاضل ترین بزرگوں کو آپ کی زندگی میں آپؐ کا وزیر بنایا۔ اور آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کا خلیفہ ہونے کا فخر بخشا۔ ان کی فضیلت اس سے زیادہ اور کیا متصور ہو سکتی ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان سے اپنے اصحاب کی تعریف بحضور خدا بیان فرمائی تاکہ پوری امت کے مقابل ان کی تفضیل و تعظیم کے باب میں حجتِ الٰہی کو اتمام سے ہمکنار کر دیں ——— وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ——— یہ وہ شہادت ہے جو بلندیٔ درجات سے نوازتی ہے ——— وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، الْمُجْتَبٰى وَالْمُصْطَفٰى۔

أَمَّا بَعْدُ فقیر ولی اللہ عفی عنہ بیان کرتا ہے کہ برادر عزیز خواجہ محمد امین اکرمہ اللہ تعالےٰ نے مجھ سے شیخین کی تفضیل کے باب میں شہادت دریافت کی۔ اس لیے کہ اس دور میں یہ مسئلہ اولادِ آدم کی نظر کی جولانگاہ اور فکر کا میدان عمل بنا ہوا ہے۔ چنانچہ بعض بدعتی عقائد کے ظہور میں آجانے کے باعث اس میں شکوک و شبہات رونما ہو پڑے ہیں۔ حتیٰ کہ صداقت روپوش ہو کر رہ گئی ہے اور مذہب سنت والجماعت کے قائل مقام مناظرہ میں عاجز آنے لگے ہیں۔ خواجہ محمد امین کی فرمائش ہے کہ اس ضمن میں چند کلمات تحریر کر دیئے

جائیں۔ لہذا عنایت الٰہی کے باعث اس فقیر کے دل میں مسئلہ مذکورہ کو زبان اور قلم کی مدد سے بیان کرنے کا شوق پیدا ہوگیا۔ اور یہ فقیر اس پُرہول بیابان میں بے خطرو اندیشہ بگٹٹ روانہ ہو پڑا۔ منصف مزاج ناظرین سے توقع ہے کہ وہ جب تک مغزِ سخن کا احاطہ نہ کرلیں ردّو انکار کی خاطر لب کشا نہ ہوں۔ اور جب تک راقم الحروف کے مطلب کو نہ پالیں مدح و قدح کے بارے میں عجلت سے کام نہ لیں۔ میں نے اس نگارش کا نام "قرۃ العینین بتفضیل الشیخین" قرار دیا ہے۔ اب اس مقصود و مراد سے متعلق گفتگو کا آغاز ہوتا ہے۔ وَھُوَ الْمُسْتَعَانُ الْمَعْبُوْد

واضح رہے کہ باقی جملہ اصحاب پر تفضیل شیخین از روئے نقل بھی ثابت ہے اور از روئے عقل بھی۔ جہاں تک نقل کا تعلق ہے اس کے بہت سے مسلک ہیں اور ہم ان اوراق میں تین مسالک پر اکتفا کریں گے۔ مسلک اوّل وعدہ خداوندی کہ وہ مومنین صالح کو خلافت سے نوازے گا اور ان کے ہاتھوں امن اور سلامتی کو فروغ دے گا اور دین کو استحکام عطا کرے گا۔ یہ وعدہ قرآن مجید میں نازل فرمایا اور پھر اس مجمل کو خواب ہائے فیض یاب کے ذریعے مفصّل کر دیا جو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھے اور جو آپؐ کے اصحاب نے دیکھے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کئے۔ اور آنحضرت نے ان کی تعبیر و تصویب بیان فرمائی۔ ازاں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نص و اشارت سے شیخین کو خلیفہ بنا دیا اور یہ مضمون مسلسل انہی معنوں میں بیان ہوتا رہا۔ پس ان دونوں کی خلافت حق قطعی ہے اور یہ دونوں باقیوں سے افضل ہیں۔ رہا وعدۂ استخلاف تو حق تعالےٰ کا ارشاد ہے "تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اللہ ان سے وعدہ کرتا ہے کہ انہیں زمین (دنیا) میں حکومت عطا کرے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دے چکا ہے اور جس دین کو ان کے واسطے پسند کیا ہے۔ اُس کو ان کے واسطے قوت دے گا اور ان کے خوف کے بعد (اِن کو ان کی حالت کو) امن میں بدل دے گا (بشرطیکہ) میری عبادت کرتے رہیں، کسی کو میرا شریک نہ بنائیں" (سورۂ نور۔ آیت نمبر ۵۵) رہا خواب کی رُو سے اس اجمال کی تفصیل کا مسئلہ تو اس کی کئی راہیں ہیں ان میں سے ایک حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے ان کا بیان ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں ارشاد فرماتے سنا۔ "میں نے خواب میں خود کو دیکھا کہ ایک کنوئیں کے کنارے پر ہوں کنواں ڈول والا ہے پھر میں نے حسب توفیق الٰہی ڈول کھینچے پھر اس ڈول کو ابن ابی قحافہ (ابوبکرؓ) نے پکڑ لیا تو ایک یا دو ڈول نکالے خدا اس کی مغفرت کرے وہ ڈھیلا پڑ گیا، پھر وہ ڈول بڑا ڈول بن گیا اور اسے ابن الخطابؓ نے پکڑ لیا۔ میں نے لوگوں میں سے کسی کو اتنا قوی و ماہر (عبقری) نہیں دیکھا کہ اس طرح ڈول نکالے جس طرح ابن الخطابؓ نے نکالے یہاں تک کہ لوگوں نے اپنے اونٹ خوب سیر کر لیے" (متفق علیہ)

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے خود

کو دیکھا گویا کسی کنوئیں پہ ہوں اور اس کی چرخی کا ڈول پکڑے ہوئے ہوں۔ اتنے میں ابوبکرؓ آگیا اس نے ایک یا دو ڈول نکالے مگر ڈھیلے اور کمزور انداز میں۔ خدا اس کی مغفرت کرے پھر عمرؓ آیا اور پانی کا طالب ہوا چنانچہ وہ ڈول بڑا ڈول بن گیا۔ پھر اس نے تو اس خوبی سے ڈول کھینچے کہ میں نے لوگوں میں ایسا قوی و ماہر کوئی نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ لوگ سیراب ہوگئے اور انہوں نے اپنے اونٹوں کی بھی پیاس بجھائی (متفق علیہ)

حضرت ابن عباسؓ سے جو حدیث مروی ہے یہ ہے کہ ابن عباس بتایا کرتے تھے کہ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا میں نے رات خواب میں ایک سائبان دیکھا جس سے گھی اور شہد ٹپک رہا تھا چنانچہ میں نے دیکھا کہ لوگ ہتھیلیاں بڑھا بڑھا کر گھی اور شہد حاصل کر رہے ہیں کسی کا حصہ زیادہ تھا کسی کا کم۔ پھر اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک رسہ ہے جو زمین سے شروع ہو کر آسمان تک پہنچ گیا ہے۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ آپؐ نے وہ رسہ پکڑ لیا، اور اوپر کو چڑھ گئے پھر ایک اور شخص نے پکڑا وہ بھی اس کے ذریعے اوپر چڑھ گیا۔ پھر ایک اور شخص نے پکڑا اور وہ بھی اس کے ذریعے اوپر چڑھ گیا۔ پھر ایک اور شخص نے پکڑا مگر اب وہ رسہ ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد جڑ گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پہ قربان۔ آپ اجازت عطا فرمائیں تو میں اس کی تعبیر بیان کرتا ہوں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا اچھا تو تعبیر بیان کرو۔ اس پہ حضرت ابوبکرؓ نے بیان کیا سائبان تو اسلام ہے اور گھی اور شہد ٹپکنے سے قرآن مراد ہے جس کی مٹھاس ٹپک رہی ہے۔ پھر قرآن کسی کے حصہ میں زیادہ کسی کے حصہ میں کم، رہا وہ رسہ جو زمین سے آسمان تک چلا گیا ہے تو وہ حق ہے جسے آپؐ اختیار کرتے ہیں لہٰذا خدا آپ کو بلند کر دیتا ہے۔ پھر آپ کے بعد ایک آدمی اسے پکڑتا ہے اور اس کے ذریعے اوپر چڑھ جاتا ہے پھر اسے ایک اور آدمی پکڑتا ہے اور اس کے ذریعے اوپر چڑھ جاتا ہے۔ پھر ایک اور آدمی پکڑتا ہے مگر وہ ٹوٹ جاتا ہے پھر وہ اس کے لئے جوڑ دیا جاتا ہے اور وہ اس کے ذریعے اوپر چڑھ جاتا ہے۔ یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پہ قربان مجھے بتائیے میں نے ٹھیک بیان کیا ہے یا غلط؟ رسول اللہ نے فرمایا تو نے کچھ ٹھیک بیان کیا ہے اور کچھ نا ٹھیک (یعنی نام نہیں بتائے) اس پہ وہ بولے خدا کی قسم یا رسول اللہؐ مجھے بتلائیے کہ میں نے غلطی کونسی کی؟ آپؐ نے فرمایا قسم نہ دے۔ اسے بخاری اور دارمی نے درج کیا ہے

ابی بکرہؓ کی حدیث یہ ہے کہ ایک روز رسول اللہ نے فرمایا تم میں سے کسی نے خواب دیکھا؟ ایک آدمی نے کہا میں نے دیکھا۔ وہ یہ کہ ایک ترازو آسمان سے اترا پھر آپؐ کو ابوبکرؓ کے ساتھ تولا گیا۔ آپؐ کا پلڑا ابوبکرؓ سے بھاری رہا۔ پھر عمرؓ اور عثمانؓ کو تولا گیا۔ عمرؓ کا پلڑا بھاری رہا۔ پھر ترازو اٹھا لیا گیا۔ اس پر ہم نے رسول اللہؐ کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھے۔ اسے ترمذی اور ابوداؤد نے قلمبند کیا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے وہ بیان کیا کرتے تھے کہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ ابوبکرؓ کو ایک مرد صالح میں ضم کر دیا گیا ہے اور عمرؓ کو ابوبکرؓ میں ضم کر دیا گیا ہے اور عثمانؓ کو عمرؓ میں ضم کر دیا گیا ہے۔ جابرؓ کا بیان ہے کہ جب ہم رسول اللہؐ کے یہاں سے اٹھ چلے تو ہم نے کہا کہ مرد صالح سے مراد رسول اللہؐ ہیں۔ رہا انضمام ایک کا دوسرے میں تو اس سے مراد ہے کہ وہ اس امر کے والی ہیں جس امر کے ساتھ اللہ نے اپنے نبیؐ کو مبعوث کیا۔ اس روایت کو ابوداؤدؒ اور حاکم نے مندرج کیا۔ سمرہ بن جندب سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہؐ سے عرض کیا کہ میں نے اس رات (خواب میں) ایک ڈول دیکھا جو آسمان سے لٹکا ہوا تھا۔ اتنے میں ابوبکرؓ آ گئے۔ انہوں نے ڈول کے منہ کی لکڑی پکڑی اور کمزور اور ڈھیلے طریق سے کچھ پیا۔ پھر عمرؓ آئے۔ انہوں نے ڈول کے منہ کی لکڑی پکڑی اور پینے لگے حتیٰ کہ پسلیاں نکل آئیں۔ پھر عثمانؓ آئے۔ انہوں نے بھی ڈول کی لکڑی پکڑی اور پینے لگے۔ یہاں تک کہ پسلیاں نکل آئیں۔ پھر علیؓ آئے۔ انہوں نے ڈول کے منہ کی لکڑی پکڑی مگر ڈول کو اوپر کھینچ لیا گیا مگر پانی کی کچھ مقدار ان پر ٹپک پڑی تھی۔ اس روایت کو ابوداؤدؒ نے درج کیا ہے۔

سفینہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ صبح کی نماز پڑھ لینے کے بعد صحابہؓ سے آ کر ملے اور فرمایا آپ میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا؟ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہؐ میں نے دیکھا۔ ایک ترازو تھا کہ آسمان سے لٹک رہا تھا۔ پھر اس کے ایک پلڑے میں آپؐ کو اور دوسرے میں ابوبکرؓ کو رکھ دیا گیا۔ آپؐ کے مقابل ابوبکرؓ کا پلڑا جھک گیا۔ پھر ابوبکرؓ کو اٹھا لیا گیا۔ ابوبکرؓ آپؐ کے پلڑے میں آ گئے۔ پھر عمرؓ کو لایا گیا اور انہیں دوسرے پلڑے میں رکھا گیا۔ ابوبکرؓ کا پلڑا جھک گیا۔ پھر ابوبکرؓ کو اٹھا لیا گیا اور عمرؓ ان کی جگہ آ گئے۔ پھر عثمانؓ کو لایا گیا اور دوسرے پلڑے میں رکھ دیا گیا۔ عثمانؓ کے مقابل عمرؓ کا پلڑا بھاری رہا۔ پھر عمرؓ کو اٹھا لیا گیا۔ پھر ترازو کو بھی اٹھا لیا گیا۔ سفینہ کا بیان ہے کہ اس پر رسول اللہؐ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اور آپؐ نے ارشاد فرمایا نبوت کی خلافت تیس سال رہے گی۔ اس کے بعد شاہی شروع ہو جائے گی۔ اس روایت کو حاکم نے درج کیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ مدینہ کی ایک چہار دیواری کے اندر تھے اور آپؐ نے اپنی چھڑی کو زمین میں گاڑا ہوا تھا۔ زمین گیلی تھی اور آپ چھڑی سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ اتنے میں کسی آدمی نے باہر سے دروازہ کھولنے کو کہا۔ آپؐ نے فرمایا دروازہ کھول اور اس (آنے والے) کو جنت کی بشارت دے دے۔ ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں دیکھا تو وہ ابوبکرؓ تھے۔ میں نے ان کے لیے دروازہ کھولا اور ان کو جنت کی بشارت دی۔ پھر ایک اور آدمی نے (باہر سے) دروازہ کھولنے کو کہا۔ آپؐ نے فرمایا دروازہ کھول اور اس (آنے والے) کو جنت کی بشارت دے دے۔ ابو اشعریؓ کہتے ہیں میں گیا دیکھا تو عمرؓ ہیں۔ میں نے دروازہ کھولا اور انہیں جنت کی بشارت دی۔ پھر ایک اور آدمی نے (باہر سے) دروازہ کھولنے کو کہا۔ اس پر رسول اللہؐ

بیٹھ گئے اور فرمایا دروازہ کھول اور اس (آنے والے) کو جنت کی بشارت دے، مگر وہ فتنہ و ہنگامہ کے بعد حاصل ہوگی۔ ابوموسیٰ اشعری رضؓ کہتے ہیں میں گیا دیکھا تو عثمان رضؓ ہیں۔ میں نے دروازہ کھولا اور انہیں جنت کی بشارت دی اور ساتھ وہ بھی کہا جو کچھ رسول اللہؐ نے فرمایا تھا۔ اس پر عثمان رضؓ نے کہا اللّٰھم صبرًا و اللہ المستعان۔ اے اللہ صبر عطا فرما اور اللہ ہی سے مدد طلب کی جا سکتی ہے۔ اس روایت کو مسلم نے درج کیا ہے۔ (مسلسل)

دعوت و تبلیغ دینے کے موضوع پر

مولانا امین احسن اصلاحی

کی شاہکار تصنیف

دعوتِ دین اور اس کا طریق کار

★ سائز ۲۲×۱۸/۸، صفحات ۲۳۲، کاغذ نیوز پرنٹ، طباعت آفسٹ :
• مجلد مع ڈسٹ کور ، قیمت -/۵ روپے

انبیاء کرام کے طریق انقلاب پر

مولانا امین احسن اصلاحی

کی ایک مختصر لیکن نہایت جامع تحریر

اقامت دین کے لیے انبیاء کرام کا طریق کار

• سائز ۲۲×۱۸/۸، صفحات ۳۲، کاغذ نیوز پرنٹ، طباعت آفسٹ، غیر مجلد، قیمت ۵۰/۔

شائع کردہ: دارالاشاعت الاسلامیہ، کوثر روڈ، اسلام پورہ لاہور ۲

مذہب اور سائنس

وحید الدین خاں

طریق استدلال کا مسئلہ

زیر نظر سلسلہ میں جو مضامین ہیں وہ سب ایک ہی موضوع سے متعلق ہیں۔ اور وہ موضوع ہے — اسلام کا اثبات جدید سائنسی معیار استدلال کی روشنی میں۔

ایک پختہ مسلمان کو اسلام کے عقائد پر ایمان لانے کے لیے کسی عقلی دلیل کی ضرورت نہیں۔ اس کے یقین کا ماخذ وہ اندرونی مشاہدہ یا وجدان (INTUITION) ہے جو عقلی تصدیق سے ماوراء ہے خدا کی یافت کسی ریاضی کے فارمولے کی یافت نہیں ہے جو صرف عقل سے ملتا ہے اور عقل ہی تک رہتا ہے یہ ایک ایسی چیز کی یافت ہے جو انسان کی اندرونی طلب کا جواب ہے اسی لیے جب وہ ملتا ہے تو وہ اندرونی معرفت بن کر انسان کی شخصیت میں شامل ہو جاتا ہے۔ وہ محض عقلی تعلق نہیں ہوتا بلکہ نفسیاتی تعلق بن کر رہ جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو چیز نفسیاتی یافت بن کر انسان کی شخصیت میں شامل ہو جائے، اس کے لیے عقلی دلیل کی کیا ضرورت۔

مگر موجودہ زمانہ میں سائنس نے جہاں زندگی میں اور تبدیلیاں کی ہیں اس نے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بٹھا دیا ہے کہ استدلال کے وہ طریقے فرسودہ طریقے ہیں جن سے اہل مذہب اب تک اپنی بات ثابت کرتے رہے ہیں۔ صحیح اور قابل اعتماد (VALID) طریقہ وہ ہے جو سائنسی طریق فکر نے پیدا کیا ہے اسی لیے دور جدید کا ذہن چاہتا ہے کہ مذہبی صداقتیں اگر واقعۃً صداقتیں ہیں تو ان کو جدید سائنسی معیار استدلال پر پورا اترنا چاہیئے۔ بصورت دیگر ان کی صحت مشتبہ ہو جائے گی۔

یہ مطالبہ صرف لامذہب لوگوں کا نہیں ہے بلکہ بہت سے راسخ العقیدہ لوگ بھی لطمئن قلبی کی بنیاد پر چاہتے ہیں کہ اس سوال کا جواب پالیں تاکہ دور جدید میں انہیں اپنے عقیدے کے بارے میں کمتری کا احساس باقی نہ رہے۔ اسی ضرورت کے تحت یہ مجموعہ شائع کیا جا رہا ہے۔

اس بحث کو ہم نے چند فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱ - طریق استدلال کا مسئلہ (اصولی اعتبار سے معیار استدلال کے مسئلہ کی وضاحت)
۲ - برٹرینڈ رسل کے خیالات (تمثیلی طور پر ایک معروف مخالف مذہب کے خیالات کا تجزیہ)
۳ - کائنات کی مشینی تعبیر (قانون تعلیل کے عروج و زوال کی کہانی)
۴ - کچھ نئی حقیقتیں (زندگی بعد موت سے متعلق جدید حقائق)
۵ - مذہب اور سائنس (ایک فکری جائزہ)
۶ - انسان جس کو سائنس دریافت نہ کر سکی (مسئلہ انسان کو حل کرنے کے سلسلے میں ایک سائنس کی ناکامی)
۷ - دورِ جدید کا مذہب (بے خدا مذہب کے نظریہ پر تبصرہ)
۸ - مذہب کی غیر مذہبی تشریح (//)

ٹی، آر، مائلز (T. R. MILES) نے کہا ہے -

"ماضی کے علمائے مذاہب کی مثال ایسے شخص کی ہے جس نے ایک بیکار چیک (DUD CHEQUE) لکھ دیا ہو - جس کے لیے بنک میں واقعی رقم موجود نہ ہو - یہ لوگ ایسے الفاظ استعمال کرتے رہے ہیں جس کے پیچھے معنویت کا سرمایہ نہیں تھا - "ناقابلِ تغیر حقیقتِ اعلیٰ" قواعدِ زبان کی رو سے ایک صحیح جملہ ہے مگر وہ ایک بے کار چیک ہے جس کے پیچھے کوئی حقیقی سرمایہ موجود نہیں -" RELIGION AND THE SCIENTIFIC OUTLOOK, P. 20

اس بیان کا مطلب یہ ہے کہ مذہب کے جو دعوے ہیں ان کی بنیاد کسی دلیل پر قائم نہیں ہے - مذہب خالص اعتقادی چیز ہے - جب کہ کسی چیز کا حقیقت ہونا اس وقت متحقق ہوتا ہے جب کہ وہ اعتقاد کی اندرونی دنیا سے باہر ثابت کی جا سکے - مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ "کہکشاں نورانی بادل نہیں بلکہ الگ الگ ستاروں کا مجموعہ ہے" ابتدائی طور پر یہ بیان صرف ایک عقیدہ ہے - مگر جب مدعی اسے دوربین کے شیشہ میں دکھا دے تو یہ عقیدہ ایک ایسی حقیقت بن جاتا ہے جو ہر ایک کے لیے قابلِ مشاہدہ ہو - مذہب کی صداقتوں کو اس طور پر خارج میں (DEMONSTRATE) نہیں کیا جا سکتا - اس لیے مذہب صرف ایک دعویٰ یا عقیدہ ہے اس سے زیادہ اس کو کوئی حیثیت حاصل نہیں -

آیئے اس سوال کا تجزیہ کریں یہ معیارِ استدلال جس کا اوپر ذکر ہوا، سادہ طور پر ایک واحد چیز نظر آتا ہے -

۱ - اس کا ابتدائی درجہ یہ ہے کہ جو چیز زیرِ بحث ہے خود وہ چیز براہِ راست ہمارے اپنے تجربہ اور مشاہدہ میں آ جائے - مثال کے طور پر ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ "پانی میں کیڑے ہوتے ہیں" بظاہر یہ عجیب سا دعویٰ ہے مگر جب ہم اس دعوے کو جانچنے کے لیے پانی کے قطرے کو خوردبین کے شیشے کے نیچے رکھتے ہیں تو واقعی ہمیں نظر آتا ہے کہ پانی کے اندر بے شمار چھوٹے چھوٹے کیڑے کلبلا رہے ہیں -

۲- دوسرا درجہ وہ ہے جب کہ دعوے پورا کا پورا تو نظر نہ آئے۔ مگر اس کے کچھ اجزاء (PATCHES) دکھائی دے رہے ہوں۔ مثال کے طور پر یہ دعوے کہ "زمین گول ہے" اپنی پوری شکل میں کسی بھی طرح انسانی مشاہدہ میں نہیں آسکتا۔ مگر اس کی گولائی کے بعض حصوں کو ہم بلاشبہ دیکھ سکتے ہیں۔ مثلاً ایک خلائی جہاز جب اوپر اڑ کر دوربینی کیمرہ سے زمین کی تصویر لیتا ہے تو وہ اس میں اسی طرح گول نظر آتی ہے جیسے چاند۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ اس کی گولائی کا صرف جزو ہوتا ہے، نہ کہ کل۔

۳- مگر مندرجہ بالا دونوں قسم کے مشاہدات سے جو حقائق ہمارے ادراک میں آتے ہیں وہ اس دنیا کے بہت معمولی حقائق ہیں۔ ان مشاہدات سے کوئی بھی معنی خیز حقیقت (SIGNIFICANT FACT) حاصل نہیں ہوتی حالانکہ دنیا کے بارے میں ہمارا تجربہ بتاتا ہے کہ وہ بے شمار معنی خیز حقائق سے بھری ہوئی ہے۔

یہاں جدید ذہن اپنے معیار استدلال میں ایک اور اضافہ کرتا ہے اور وہ یہ کہ — وہ استدلال بھی ایک صحیح معیار استدلال ہے جس میں اگرچہ اصل حقیقت کو براہ راست دکھایا نہ گیا ہو۔ مگر اس کے کچھ ایسے بھی پہلو ہمارے تجربے میں آتے ہوں جن سے قیاس کیا جاسکے کہ ایسی کوئی حقیقت یہاں پائی جارہی ہے۔ مثال کے طور پر الکٹران بذات خود ایک ناقابل مشاہدہ چیز ہے۔ وہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ نہ کوئی خوردبین اسے دکھا سکتی اور نہ کوئی ترازو اسے تول سکتا مگر اس کے باوجود سائنس کی دنیا میں الکٹران کو ایک حقیقت سمجھا جاتا ہے — کیوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ الکٹران بذات خود تو نظر نہیں آتا۔ مگر اس کے کچھ ایسے اثرات (EFFECTS) قابل اعادہ تجربات کی شکل میں ہمارے سامنے آتے ہیں جن کی توجیہہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتی کہ ہم الکٹران جیسے ایک نظام کا وجود فرض کریں۔ الکٹران بذات خود ایک مفروضہ ہے مگر اس مفروضہ کی بنیاد چونکہ بالواسطہ تجربہ پر ہے اس لیے سائنس اسے تسلیم کرتی ہے۔

معیار استدلال میں اس تیسرے اضافہ ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ معنی خیز حقائق ہمارے دسترس میں آسکے جن کا دوسرا نام جدید طبیعات یا نیوکلیر سائنس ہے۔

۴- مگر مطالعہ نے بتایا کہ یہ تیسرا معیار بھی آخری نہیں ہے۔ اس سے جو حقائق ہمیں دستیاب ہوتے ہیں وہ تمام تر وہی ہیں جن کو ایک عالم نے تکنکی حقائق (TECHNICAL TRUTHS) کہا ہے جبکہ کائنات کی وسعت تکنکی حقائق سے بہت آگے جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زیادہ معنی خیز حقائق وہاں سے شروع ہوتے ہیں جہاں تکنکی حقائق کا خاتمہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر جسم انسانی کا حیاتیاتی اور عضویاتی مطالعہ ہمارے سامنے بہت سے حقائق کھولتا ہے۔ اور بلاشبہ ان کے اندر معنویت بھی ہے مگر اس سے زیادہ معنی خیز حقیقت وہ ہے جو انسان کے آغاز و انجام سے متعلق ہے۔ مگر یہاں حیاتیات اور عضویات کا رواجی مطالعہ ہمارا ساتھ نہیں دیتا

اسی لیے ایک مغربی عالم نے کہا ہے:

(THE KNOWABLE IS UNIMPORTANT, AND THE IMPORTANT IS UNKNOWABLE) جو چیز قابل دریافت ہے وہ غیر اہم ہے۔ اور جو چیز اہم ہے وہ قابل دریافت نہیں۔

اب جدید ذہن معیار استدلال کی فہرست میں ایک اور معیار کا اضافہ کرتا ہے اور وہ یہ کہ مشاہدات اور تجربات خواہ خالص ٹیکنیکل سائنس کے معنی ہیں۔ اس دعویٰ سے براہ راست مربوط نہ ہوں۔ مگر وہ اصل دعوے کے حق میں جائز قرینہ پیدا کرتے ہوں۔ نیز ان کی توجیہہ کے لیے دوسرا کوئی بہتر تصور موجود نہ ہو، تو ایسے استدلال کو بھی جائز اور صحیح استدلال سمجھا جائے گا۔

یہ آخری معیار استدلال بھی جدید ذہن کے لیے ایک معقول معیار (VALID CRITERION) ہے۔ اور جو چیز اس معیار پر قرار واقعی طور پر پوری اترے اس کو بھی ایک ثابت شدہ چیز سمجھا جائے گا۔ اس کی وضاحت کے لیے میں یہاں دو مثالیں دینا چاہتا ہوں۔ ایک منفی اور دوسری مثبت۔

منفی مثال کے ذیل میں جدید ذہن کے خلاف مذہب نظریات کو پیش کیا جاسکتا ہے مذہب کے سلسلے میں جدید ذہن کا کہنا صرف یہ نہیں ہے کہ وہ ہمارے لیے قابل فہم نہیں ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر خود مذہب کی واقعیت کے بارے میں اس نے ایک بیان (STATEMENT) دے دیا ہے اور وہ یہ کہ مذہب ایک سراسر غلط اور بے بنیاد چیز ہے۔

انکار مذہب کا یہ دعوے کس معیار استدلال کے تحت کیا گیا ہے وہ تمام تر اسی معیار کے تحت ہے جس کو ہم نے اوپر نمبر ۴ کے ذیل میں بیان کیا ہے۔ گویا جدید ذہن مذہب کے خلاف دلیل قائم کرنے کے لیے اس چوتھے معیار کو ایک جائز اور معقول معیار تسلیم کرتا ہے۔

مذہب کے خلاف دور جدید کا مقدمہ بیک وقت دو متضاد پہلوؤں کا حامل ہے ایک طرف جدید ذہن کا کہنا ہے کہ مذہب چونکہ ایسے عقائد کے مجموعے کا نام ہے جس کا مظاہرہ (DEMONSTRATION) ممکن نہیں ہے اس لیے وہ شخصی عقیدہ کی چیز ہے دوسروں سے اس کے ماننے کی توقع نہیں کی جاسکتی دوسری طرف فلسفیوں اور سائنس دانوں کی ایک فوج یہ بھی کہہ رہی ہے کہ جدید دریافتوں نے مذہبی عقائد کو باطل ثابت کر دیا ہے۔

یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ کیونکہ مذہب اگر ایک ایسے دائرہ کی چیز ہے جس کو دوسرے شخص کے سامنے عملی طور پیش نہیں کیا جاسکتا۔ تو جس طرح کا ثابت کرنا ناممکن ہوگا اسی طرح اس کو رد کرنا بھی ناممکن ہونا

چاہیئے۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو دور جدید کے موقف کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ہم مذہب کو عملی طور پہ مدلل کرنا چاہیں تو وہ کہیں گے کہ تم فضول کوشش کر رہے ہو۔ کیونکہ مذہب ثابت کرنے کی چیز ہی نہیں لیکن جب وہ خود مذہب کے خلاف دلیل قائم کرنا چاہیں تو مذہب ایک ایسے دائرہ کی چیز بن جاتا ہے جہاں حامی دلائل قائم کئے جا سکتے ہوں۔

اس تضاد کی وجہ حقیقتاً یہ نہیں ہے کہ مذہب واقعی ایسے دائرہ سے تعلق رکھتا ہے جہاں دلائل قائم نہ کئے جا سکتے ہوں۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مخالفین مذہب یہ نہیں چاہتے کہ جس اصول استدلال کے تحت انہوں نے مذہب کا رد کرنا چاہا ہے، اس اصول استدلال کو اہل مذاہب اس کے اثبات کے لیے استعمال کریں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوا تو انہیں مذہب کی معقولیت کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی عدالت میں سرکاری وکیل تو اپنا فرض انجام دے رہا ہو مگر ملزم کو اپنا وکیل رکھنے کی اجازت نہ ہو۔ سرکاری وکیل کا ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ حکومت اس اصول کو تسلیم کرتی ہے کہ مقدمہ کی وضاحت کے لیے وکیل ہونا چاہیئے۔ مگر اس اصول کو جب ملزم استعمال کرنا چاہے تو حکومت اس کی مخالف ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اسے اندیشہ ہوتا ہے کہ اس کا فائدہ کہیں ملزم کو نہ پہنچ جائے۔

اگر اصول یہ ہے کہ حقیقت صرف مشاہدہ اور تجربہ سے حاصل شدہ چیز کا نام ہے تو مذہب کے مخالفین کا موقف اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ انہوں نے مشاہدہ اور تجربہ کے ذریعہ براہ راست طور پہ یہ معلوم کر لیا ہو کہ فی الواقع مذہب کوئی چیز نہیں ہے مثلاً ان کا مشاہدہ اس حد تک مکمل ہو چکا ہو کہ وہ کہہ سکیں کہ عالم کے اندر اور عالم کے باہر جو کچھ ہے وہ سب ہم آخری حد تک دیکھ چکے ہیں اور اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہاں نہ خدا ہے، نہ فرشتے، نہ جنت نہ دوزخ، بالکل اسی طرح جیسے ۱۰ فٹ چوڑے اور ۱۰ فٹ لمبے ایک خالی کمرے کے اندر ایک بینا شخص ہو تو وہ اس میں نظر دوڑا کر یہ کہنے کی پوزیشن میں ہوتا ہے کہ اس کے اندر کوئی ہاتھی یا شیر موجود نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ مخالفین مذہب اس موقف میں نہیں ہیں۔ پھر استدلال کا وہ کونسا طریقہ ہے جس سے انہوں نے مذہب کے خلاف مواد حاصل کیا ہے۔ یہ مذہب کا براہ راست مشاہدہ نہیں بلکہ بعض مشاہدات کی توجیہہ ہے (مثلاً عالم افلاک میں باہمی کشش کو دریافت کرنے کے بعد یہ کہنا کہ کوئی خدا نہیں ہے جو کائنات کو سنبھالے ہوئے ہو، کیونکہ قانون کشش اس کی توجیہہ کے لیے موجود ہے) ظاہر ہے کہ یہاں جس مشاہدہ کی بنیاد پہ دلیل قائم کی گئی ہے، وہ خود خدا کا عدم وجود نہیں ہے۔ یعنی بغیر کسی دوربین کے آخری طور پہ ہمیں یہ خبر نہیں دے دی ہے کہ یہ کائنات خدا سے خالی ہے بلکہ ایک خارجی مشاہدہ کی بنیاد پہ یہ استنباط کیا گیا ہے کہ خدا کو نہیں ہونا چاہیئے۔ گویا مشاہدہ یا تجربہ خود عدم وجود کا نہیں ہوا ہے بلکہ ایک اور واقعہ کا ہوا ہے جس سے عدم وجود کو قیاس کر لیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ اصولِ استدلال جس کو موجودہ زمانے میں مذہب کے رد کے لیے صحیح سمجھا گیا ہے وہی مذہب کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت ہے غلطی اصولِ استدلال میں نہیں بلکہ اصولِ استدلال کے انطباق میں ہے اگر اس کو صحیح طور پر منطبق کیا جائے تو نتیجہ بالکل برعکس برآمد ہوگا۔

اوپر ہم نے چوتھے معیارِ استدلال کی منفی مثال دی تھی۔ مثبت مثال کے ذیل میں عضویاتی ارتقاء ——— (ORGANIC EVOLUTION) پیش کیا جا سکتا ہے۔ جس کو جدید دنیا میں اس طرح تسلیم کر لیا گیا ہے کہ آج علم کی تمام شاخوں میں اس کے اثرات پھیل چکے ہیں۔ نظریہ ارتقاء کی صداقت کا ثبوت پہلے اور دوسرے اور تیسرے معیار کے مطابق حاصل نہیں ہوتا اس کی صداقت کا واحد ثبوت صرف اس معیارِ استدلال میں ملتا ہے جس کو اوپر نمبر ۴ کے تحت بیان کیا گیا ہے

عضویاتی ارتقاء جدید دنیا کے لیے ایک سائنٹیفک حقیقت ہے "سائنس آف لائف" کے مصنفین نے لکھا ہے ——— "عضویاتی ارتقاء کے حقیقت ہونے سے اب کسی کو انکار نہیں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو جاہل ہوں یا متعصب ہوں اور یا اوہام پرستی میں مبتلا ہوں"۔ ماڈرن پاکٹ لائبریری (نیویارک) نے ——— (MAN AND THE UNIVERSE) کے نام سے کتابوں کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے اس سلسلے کی پانچویں کتاب میں ڈارون کی کتاب "اصل الانواع" کو تاریخ ساز تصنیف قرار دیتے ہوئے کہا گیا ہے:۔

> "انسان اپنا شجرۂ نسب معلوم کرنے کے لیے طویل ترین مدت سے جو کوشش کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں کسی نظریے کو اتنی زبردست مذہبی مخالفت کا سامنا کرنا نہیں پڑا جتنا چارلس ڈارون کے انتخابِ طبعی کو۔ اور نہ کسی دوسرے نظریے کو اتنی زیادہ سائنسی تصدیق ——— (SCIENTIFIC AFFIRMATION) حاصل ہوئی ہے جتنی اس نظریے کو حاصل ہوئی ہے (PHILOSOPHERS OF SCIENCE, P. 244)۔

امریکہ کا مشہور ارتقاء پسند سمپسن (G. G. SIMPSON) لکھتا ہے۔

> "ڈارون تاریخ کے بلند ترین لوگوں میں سے ایک تھا۔ جس نے انسانی علم کی ترقی میں بہت نمایاں کام انجام دیا ہے۔ یہ مقام اس نے اس لیے حاصل کیا ہے کہ اس نے نظریہ ارتقاء کو آخری اور مکمل طور پر ایک حقیقت کو ثابت کر دیا نہ کہ محض ایک قیاس یا کہ متبادل مفروضہ جو سائنسی تحقیق کے لیے قائم کر لیا گیا ہو۔"
>
> MEANING OF EVOLUTION (N.Y. 1951) P. 127

اے۔ ای۔ مینڈر لکھتا ہے:۔

یہ نظریہ کہ انسان اور دوسری ذی حیات اشیاء کے موجودہ صورت تک پہنچنے میں ارتقاء کا عمل ہوا ہے، یہ اب اتنے دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ اس کو تقریباً حقیقت (APPROX IMATE CERTAINTY) کہا جا سکتا ہے۔"

CLEARER THINKING P. 113

لل (R. S. LULL) لکھتا ہے۔

"ڈارون کے بعد سے نظریہ ارتقاء دن بدن زیادہ قبولیت حاصل کرتا رہا ہے یہاں تک کہ اب پڑھے اور جاننے والے لوگوں میں اس بارے میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا ہے کہ یہ واحد منطقی طریقہ ہے جس کے تحت عمل تخلیق کی توجیہ ہو سکتی ہے اور اس کو سمجھایا جا سکتا ہے۔"

ORGANIC EVOLUTION P. 15

وہ مزید لکھتا ہے:۔

"تمام سائنس داں اور دوسرے جاننے والوں میں سے بیشتر لوگ نظریۂ ارتقاء کی صداقت TRUTH پر مطمئن ہو چکے ہیں۔ خواہ وہ جمادات سے متعلق ہو یا حیوانات سے متعلق۔ یعنی یہ کہ زمین جب اس قابل ہوئی کہ اس پر زندہ چیزیں رہ سکیں اس وقت لمبی مدت کے عمل کے نتیجہ میں زندگی کی کچھ سادہ اقسام پیدا ہوئیں اور اس کے بعد طویل مدت کے مسلسل عمل سے نباتات اور حیوانات کی وہ تمام حیرت انگیز قسمیں وجود میں آئیں جن کو ہم آج اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔" صفحہ ۸۳)

اس نظریے کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ لل کی سات سو صفحے کی کتاب میں زندگی کی خصوصی تخلیق (SPECIAL CREATION) پر صرف ایک صفحہ اور چند سطریں ہیں اور بقیہ تمام عضویاتی ارتقاء کے بارے میں ہیں۔ اسی طرح انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (۱۹۵۸) میں تخلیق (CREATIONISM) کے نظریئے کو چوتھائی صفحے سے بھی کم میں دیا گیا ہے۔ اس کے مقابلے میں عضویاتی ارتقاء کے عنوان کے تحت جو مقالہ شامل کیا گیا ہے وہ باریک ٹائپ کے پورے چودہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس مقالے میں بھی حیوانات میں ارتقاء کو بطور ایک حقیقت (FACT) تسلیم کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ ڈارون کے بعد اس نظریئے کو سائنس دانوں اور تعلیم یافتہ طبقہ کا قول عام (GENERAL ACCEPTANCE) حاصل ہو چکا ہے۔

نظریۂ ارتقاء کے حق میں وہ کون سے دلائل فراہم ہوئے ہیں جن کی وجہ سے دور جدید کے اہل علم نے ان کی صداقت تسلیم کر لی ہے۔ یہاں میں اس کے چند بنیادی پہلوؤں کا ذکر کروں گا تاکہ اندازہ ہو سکے کہ ان دلائل کی نوعیت کیا ہے۔

۱۔ حیوانات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان میں ادنیٰ اور اعلیٰ اقسام پائی جاتی ہیں۔ واحدالخلیہ جانوروں ـــــ (SINGLE CELLULAR ANIMAL) سے لے کر اربوں خلیات رکھنے والے جانور اور اسی طرح کی صلاحیتوں کے اعتبار سے حیوانات میں ادنیٰ اور اعلیٰ درجات کا فرق۔

۲۔ اس ابتدائی مشاہدہ کو جب اس کہانی کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے جو زمین کی تہوں میں نقش ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس فرق میں باعتبار زمانہ ایک ارتقائی ترتیب ہے کروڑوں برس پہلے زمین پر زندگی کی جو شکلیں آباد تھیں ان کے پنجر قدرتی عمل کے تحت پتھرائی ہوئی حالت میں اب بھی زمین کے نیچے دبے ہوئے ہیں جن کو فاصل (FOSSIL) کہا جاتا ہے۔ یہ فاصل بتاتے ہیں کہ زمین کے زیادہ قدیم دور میں، حیوانات کی جو قسمیں یہاں آباد تھیں وہ سادہ تھیں اور اس کے بعد دھیرے دھیرے زیادہ پیچیدہ اور ترقی یافتہ قسمیں آباد ہوتی رہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کی موجودہ قسمیں سب کی سب بیک وقت وجود میں نہیں آئیں بلکہ پہلے سادہ قسمیں وجود میں آئیں اور اس کے بعد دھیرے دھیرے ترقی یافتہ قسمیں۔

۳۔ اس کے بعد ایک اور حقیقت سامنے آتی ہے۔ وہ یہ کہ مختلف حیوانات کے درمیان نوعی اختلافات کے باوجود ان کے جسمانی نظام میں بہت سی مشابہتیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً مچھلی چڑے سے ملتی جلتی ہے اور گھوڑے کا ڈھانچہ انسان کے ڈھانچہ سے مشابہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ سارے ذی حیات ایک ہی خاندان کی پیداوار ہیں اور سب کے اجداد بالآخر ایک ہی تھے۔

۴۔ ایک نوع سے دوسری نوع کیسے نکلی۔ یہ اس وقت معلوم ہو جاتا ہے جب ہم ایک اور واقعہ کو دیکھتے ہیں وہ یہ کہ ایک جانور کے بطن سے جو بچے پیدا ہوتے ہیں وہ سب کے سب یکساں نہیں ہوتے بلکہ ان کے مختلف بچوں میں کچھ فرق ہوتا ہے۔ یہی فرق اگلی نسلوں میں مزید ترقی کرتا ہے اور انتخاب طبعی کے عمل کے تحت آگے بڑھتا رہتا ہے۔ یہ فرق لاکھوں سال کے بعد اتنا زیادہ ہو جاتا ہے کہ ایک چھوٹی گردن والی بکری، لمبی گردن والے زرافہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ چنانچہ "انیمل بیالوجی" کے مصنفین (ہالڈین اور ہکسلے) نے ارتقاء کو تبدیلیوں کے انتخاب (SELECTION OF MUTATION) کا نام دیا ہے۔

نظریۂ ارتقاء کے حامیوں کے یہ دلائل جس معیارِ استدلال پر پورے اترتے ہیں، وہ کون سا معیار ہے وہ وہی معیار ہے جس کو ہم نے اوپر نمبر ۴ کے تحت بیان کیا ہے یعنی دعوے یا اس کے اثرات کا براہِ راست تجربہ نہ ہونا۔ البتہ ایسے مشاہدات کا حاصل ہونا جن سے اس کی صداقت کا منطقی قرینہ معلوم ہوتا ہے۔

نظریہ ارتقاء کے حامی ابھی تک ان میں سے کسی ایک چیز کا بھی مشاہدہ یا تجربہ نہیں کرا سکے ہیں جن کے اوپر ان کے نظریہ کی بنیاد قائم ہے۔ مثلاً وہ کسی لیباٹری میں یہ نہیں دکھا سکتے کہ بے جان مادّہ سے زندگی

کیسے پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سلسلے میں ان کے دعوے کی بنیاد صرف یہ ہے کہ طبیعاتی ریکارڈ بتاتا ہے کہ پہلے بے جان مادہ تھا پھر کائنات میں زندگی رینگنے لگی۔ اسی طرح ایک نوع کا دوسری نوع میں تبدیل ہو جانا۔ بذاتِ خود کوئی تجربہ اور مشاہدہ کی چیز نہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ کسی چڑیا خانہ میں ایسے تجربات کئے جائیں۔ جہاں بکری زرافہ بنتی ہوئی نظر آئے۔ بلکہ بعض خارجی مشاہدات، مثلاً مختلف انواع میں مشابہت اور ایک نسل کے کئی بچوں میں باہم فرق سے یہ قیاس کر لیا گیا ہے کہ نوعیں الگ الگ وجود میں نہیں آئیں بلکہ ہر نوع دوسری نوع سے برآمد ہوتی چلی گئی ہے۔ اسی طرح جبلت کا ذہانت کی شکل میں ترقی کرنے کا معاملہ ہے جس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ انسان بھی حیوان ہی کی ایک اگلی نسل ہے۔ اس سلسلے میں بھی ابھی تک ایسا کوئی مشاہدہ سامنے نہیں لایا جا سکا۔ جہاں فی الواقع جبلت ذہانت میں تبدیل ہوتی نظر آ رہی ہو۔ یہ بھی محض ایک قیاس ہے جس کی بنیاد صرف اس واقعہ پر ہے کہ ارضیاتی تحقیق میں جبلت والے جانوروں کے آثار نچلے طبقات میں ملتے ہیں اور ذہانت والے جانوروں کے آثار اوپر کے طبقات میں۔

اس قسم کے تمام دلائل کی نوعیت یہ ہے کہ دعوے اور دلیل کے درمیان جو ربط ہے وہ صرف منطقی ربط ہے نہ کہ تجرباتی یا مشاہداتی ربط۔ مگر اس قسم کے دلائل کی بنیاد پر ارتقاء کے تصوّر کو موجودہ زمانہ میں ایک سائنٹیفک حقیقت قرار دے دیا گیا ہے۔ گویا جدید ذہن کے نزدیک علمی حقائق کا دائرہ صرف انہی واقعات تک محدود نہیں ہے جو براہِ راست تجربے سے معلوم ہوں۔ بلکہ تجربات اور مشاہدات کی بنیاد پر جو منطقی قرینہ حاصل ہوتا ہے وہ بھی اتنا ہی سائنٹیفک حقیقت ہو سکتا ہے جتنی وہ حقیقت جس کا یا جس کے اثرات کا براہِ راست تجربہ کیا جا سکتا ہے۔

یہاں مجھے نظریۂ ارتقاء کی صداقت یا عدم صداقت سے بحث نہیں ہے کیونکہ یہاں جو سوال ہے وہ اصلاً معیارِ استدلال سے متعلق ہے نہ کہ نظریۂ ارتقاء سے متعلق اور یہ ایک معلوم بات ہے کہ خواہ کوئی بھی معیارِ استدلال ہو۔ اس سے ثابت کی ہوئی چیز صحیح بھی ہو سکتی ہے۔ اور غلط بھی۔ سائنس میں نئے دن نظریات بدلتے رہتے ہیں حالانکہ وہ عموماً ان معیاروں کے مطابق ثابت کئے جاتے ہیں۔ جو خالص تجرباتی نوعیت سے متعلق ہیں کسی معیارِ استدلال کو جائز اور معقول تسلیم کرنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کے حوالے سے جو بات بھی پیش کر دی جائے، وہ لازماً صحیح ہو یہ بالکل ممکن ہے کہ نتیجہ غلط ہو۔ مگر معیار تسلیم شدہ ہے تو اصل معیار کی معقولیت اس کے بعد بھی باقی رہے گی۔

سر آرتھر کیتھ کے الفاظ میں ارتقاء مذہب عقلیت کا ایک بنیادی عقیدہ (BASIC DOGMA OF RATIONALISM) ہے ایک فرانسیسی سائنسی انسائیکلوپیڈیا میں ڈارونزم کو ایک ایسا نظریہ کہا گیا ہے جس کی بنیاد توجیہہ بلا شبہ بلا مشاہدہ (EXPLANATIONS WITHOUT DEMONSTRATIONS) پر قائم ہے۔

پھر ایک ایسی چیز جس کا لیبارٹری میں تجربہ نہ کیا جا سکتا ہو، جو صرف "عقیدہ" ہو اس کو کس بنا پر علمی حقیقت سمجھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ اسے، ای مینڈر کے الفاظ میں یہ ہے۔

۱۔ یہ نظریہ تمام معلوم حقیقتوں سے ہم آہنگ (CONSISTENT) ہے۔

۲۔ اس نظریئے میں ان بہت سے واقعات کی توجیہہ مل جاتی ہے جو اس کے بغیر سمجھے نہیں جا سکتے

۳۔ دوسرا کوئی نظریہ ابھی تک ایسا سامنے نہیں آیا۔ جو واقعات سے اس درجہ مطابقت رکھتا ہو

(صفحہ نمبر ۱۱۲)

یہ استدلال جو نظریہ ارتقاء کو حقیقت قرار دینے کے لیے معیارِ استدلال کے اعتبار سے کافی سمجھا جاتا ہے۔ یہی استدلال بدرجہا زیادہ شدت کے ساتھ مذہب کے حق میں موجود ہے۔ ایسی حالت میں جدید ذہن کے پاس کوئی وجہ جواز نہیں ہے کہ وہ کیوں ارتقاء کو سائنسی حقیقت قرار دیتا ہے اور مذہب کو سائنسی ذہن کے لیے ناقابلِ قبول ٹھہراتا ہے۔

مندرجہ بالا توجیحی معیارِ استدلال کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ جب دعوے اور تجربے میں براہِ راست کوئی ربط نہیں ہے بلکہ صرف ہمارا استنباط (INFERENCE) دونوں کو مربوط کرتا ہے تو کیسے یقین کر لیا جائے کہ ہمارا استنباط صحیح ہے۔ جواب یہ ہے کہ بلاشبہ ہمارے استنباط میں غلطی ہو سکتی ہے مگر صرف یہ امکان اصل معیار کی معقولیت کو متاثر نہیں کر سکتا۔ اگر محض اس بنا پر اس معیار کی معقولیت پر شبہ کیا جائے تو ٹھیک اسی دلیل کی بنیاد پر دوسرے معیاروں کو بھی مشتبہ قرار دینا پڑے گا جن پر ہماری جدید سائنس کی ساری بنیاد قائم ہے۔

سائنس میں جتنے بھی نظریات تسلیم شدہ ہیں، بلا استثنا ہر ایک کا حال یہ ہے کہ خود اصل نظریات کبھی مشاہدے یا تجربے میں نہیں آتے۔ بلکہ بعض خارجی تجربات یا مشاہدات کی بنا دیر کچھ نظریات قائم کر لیئے گئے ہیں۔ یہاں بھی تجربہ اور نظریہ کو جو چیز باہم مربوط کرتی ہے وہ اصلاً استنباط ہے نہ کہ خود تجربہ و مشاہدہ جب ایک سائنسدان کہتا ہے کہ:-

(ELECTRICITY MEANS FLOW OF ELECTRON) تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس نے بجلی کے تاروں میں خوردبین سے الیکٹران کو دوڑتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔ یہ درحقیقت اس مشہور واقعہ کی ایک توجیہہ ہوتی ہے کہ جب ہم بٹن دباتے ہیں تو کیوں بلب جل جاتا ہے۔ پنکھا گھومنے لگتا ہے۔ کارخانے متحرک ہو جاتے ہیں گویا جس چیز کا تجربہ کیا گیا ہے وہ محض ایک خارجی مظہر ہے نہ کہ خود وہ واقعہ جو اس خارجی مظہر سے مستنبط (INFER) کیا جا رہا ہے اس لحاظ سے سائنس کے تمام نظریات اسی طرح محض قیاسی مفروضے ہیں جن کا الزام مذہب کو دیا جاتا ہے۔

دونوں کے درمیان جو واحد فرق بتایا جا سکتا ہے وہ صرف یہ کہ سائنس میں تجربہ یا مشاہدہ براہِ راست

طور پر خود اصل دعوے سے متعلق ہوتا ہے جبکہ مذہب میں وہ براہِ راست طور پر اصل دعوے سے متعلق نہیں ہوتا ہے۔ مگر اس فرق کی اہمیت اس وقت ختم ہو جاتی ہے جب ہم اس واقعہ کو سامنے رکھیں کہ تجربہ خواہ کتنا ہی متعلق اور براہِ راست ہو مگر بہر حال وہ اصل حقیقت کا صرف ایک خارجی مظہر ہوتا ہے وہ بذاتِ خود اصل حقیقت نہیں ہوتا جیسے ٹیلی فون نمبر بلاشبہ صاحبِ ٹیلی فون سے متعلق ہے مگر وہ خود صاحبِ ٹیلیفون نہیں ہے گویا یہاں بھی سائنس دان کے مشاہدے یا تجربے کو جو چیز اصل حقیقت سے جوڑتی ہے وہ صرف ایک ایسی چیز ہے جو اس کے ذہن میں ہے یعنی استنباط نہ کہ خود مشاہدہ یا تجربہ اسی لیے ایک سائنسدان نے اس کو ذہنی خاکہ قرار دیا ہے۔ "THEORIES ARE MENTAL PICTURES THAT EXPLAIN KNOWN LAWS —"

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ

تاکہ حق کو حق ثابت کر دے اور باطل کو باطل۔ (سورۂ انفال)

اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدّعا اور طریق کار

ہمارے تحقیق اسلامی کے اداروں کے سامنے کرنے کا اصل کام

ڈاکٹر محمد رفیع الدّین مرحوم

ایم اے۔ پی ایچ ڈی۔ ڈی لٹ

"..... محترم ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کے اس مقالے نے میرے دل کو سب سے زیادہ اطمینان حاصل ہوا ہے۔ میرے نزدیک اسلامی ریسرچ کا صحیح تصوّر یہی ہے جو اس مقالے میں پیش کیا گیا ہے ......" مولانا امین احسن اصلاحی

"..... اس موضوع پر میری نظر سے اس سے زیادہ تشفی بخش تحریر اب تک نہیں گزری ..... اسلامی موضوعات پر کام کرنے والوں کے لیے یہ کتابچہ ایک دستور العمل کا درجہ رکھتا ہے..."

—— ڈاکٹر سیّد عبد اللہ، سابق پرنسپل یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور

قیمت قسم اعلیٰ، ڈیڑھ روپیہ۔ قسم ادنیٰ، ایک روپیہ —— محصولڈاک اس کے علاوہ

شائع کردہ:

دارالاشاعت الاسلامیہ —— کوثر روڈ، اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور، فون ۶۹۵۲۲

ڈاکٹر سٹینی وڈ قاب
سابق پروفیسر رابرٹ کالج، استنبول ترکیہ
مترجمہ: اعجاز احمد چودھری
ہاشمی میموریل کالج آف کامرس، لاہور

تاریخِ اسلام میں ایک امریکی مستشرق کی دلچسپی

[ڈاکٹر سٹین وڈ قاب ایک امریکی فاضل ہیں۔ وہ رابرٹ کالج، استنبول، ترکیہ، میں پروفیسر رہے ہیں۔ اپنے قیام استنبول کے دوران میں انہوں نے اسلامی تاریخ اور جدید اسلامی معاشرت کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اسلامی تاریخ و معاشرت کا یورپی مستشرقین نے آج تک صحیح طور پر مطالعہ نہیں کیا۔ اور نہ ہی مسلمانوں کی خدمات کو تاریخ عالم میں صحیح مقام دیا گیا ہے۔ یہ تمام تفصیل ان کی کتاب "اسلامک کنٹری بیوشن ٹو سویلائزیشن" (ISLAMIC CONTRIBUTION TO CIVILIZATION) میں دی گئی ہے۔ پروفیسر اعجاز احمد صاحب نے اس کتاب کا اردو ترجمہ "تہذیبِ عالم اور مسلمانوں کی خدمات" کے نام سے پیش کیا ہے۔
زیر نظر مضمون ڈاکٹر سٹین وڈ قاب کی تصنیف کا دیباچہ ہے۔ جو قارئین کی خدمت میں ادارہ میثاق کی طرف سے پہلی بار پاکستان میں شائع کیا جا رہا ہے جس سے اس امریکی مستشرق کی اسلام سے دلچسپی ظاہر ہوتی ہے ——— ادارہ ———]

اسلام سے میری دلچسپی قیام استنبول کی یادگار ہے۔ میں ایک زمانے میں یہاں کے ایک تعلیمی ادارہ "رابرٹ کالج" میں معلم تھا۔ انہی دنوں استنبول کے تعلیم یافتہ ترکوں سے میرے مراسم استوار ہوئے۔ اور ایک ترکی معلم تو میرے گہرے دوست بن گئے۔ وہ ایک روشن خیال مسلمان شخص تھے۔ بعد کو وہ اسی کالج میں ڈین کے عہدہ پر فائز ہو گئے تھے۔

عام مسلمانوں سے مجلسی و معاشرتی مراسم کی وجہ سے مجھے ان کی خوبیوں کا علم ہوا۔ بالخصوص ان کی متین طبائع نے بہت متاثر کیا۔ وہ قناعت، اطمینان قلب اور ذہنی سکون کی نعمت ہائے غیر مترقبہ سے مالا مال تھے۔ انہی اوصاف

حمیدہ کی بدولت مسلمانوں اور نامسلمانوں میں آج بھی تمیز کی جاسکتی ہے۔ بلکہ اس اختلافِ مزاج و طبائع کا نظارہ آبنائے باسفورس کے چاروں طرف پھیلے ہوئے مختلف العقیدہ تاجروں کے کاروباری رویّہ سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ میں نے بچشم خود دیکھا کہ غیر مسلم تاجر ہر وقت گاہکوں اور خریداروں کی تاک میں رہتے۔ بار بار مال کی فروخت کے لیے آوازیں لگاتے۔ بلکہ بعض اوقات تو اسی ذہنی کشمکش سے مغلوب ہو کر اپنے مال سے لدی ہوئی کشتیوں سے باہر چھلانگ لگا دیتے۔ برعکس اس کے مسلمان تاجر ایک پُروقار، پُرجلال وجاہت اور کمال سنجیدگی اور متانت سے اللہ کے بھیجے ہوئے گاہک پر ہی قناعت کرتے۔ حقیقتاً یونانی اور آرمینی بحری تاجروں کی جلد بازی اور شور و غل قابل نفرین ہوتا تھا۔ اسی لیے ساحلی خریدار ان کی کشتیوں پہ لدے ہوئے مال کو نظر انداز کر کے کسی ترک بحری تاجر کی کشتی کے پاس جانا پسند کرتے تھے۔ کیونکہ اُن کا پُرمتانت و باوقار رویّہ قابلِ تحسین اور مؤثر معلوم ہوتا تھا۔

استنبول کے بازاروں میں تجارتی گہما گہمی کے باوجود مسلمان ترکوں کا وقار اور ان کی بے پناہ سنجیدگی اور متانت ان کے نفسِ مطمئنہ کی گواہی دیتی ہے۔ اونی کمبلوں اور نمدوں کے بہت سے غیر مسلم بیوپاری استنبول کے بازاروں میں اپنے مال کو سرعام سجاتے تاکہ راہ چلتے خریداروں کو متوجہ کر سکیں لیکن ترکی کمبل فروش بازاروں کی عقبی قطار پر اپنی دکانوں کے چبوتروں ہی پر کمال صبر و سکون سے بیٹھے رہتے۔ یہ ترک سوداگر اس وقت تک اپنی مخصوص جگہ سے حرکت نہ کرتے جب تک آپ خود اُن سے اپنے پسندیدہ کمبل کی قیمت دریافت نہ کریں۔ ترکوں میں عام رواج ہے کہ اصل قیمت فروخت پہ پچیس فیصد زائد قیمت سناتے ہیں۔ لیکن سودے بازی کے دوران وہ اپنی اصل قیمت فروخت پہ آجاتے ہیں۔ دراصل مشرقی تجارت کا یہ ایک عام دستور ہے۔ دوسری طرف غیر ترک سوداگر اصل قیمت سے تین چار گنا بھاؤ کرنے کے عادی تھے۔ امریکی سیاحوں کو خاص طور پہ یہ بتا دیا جاتا تھا کہ ان بازاروں میں کس طرح سودا چکایا جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی ایسے امریکی سیاح آتے رہے جو مطلوبہ قیمت سے نصف پہ سودا چکا کر بہت خوش ہوتے تھے اور اپنی سودے بازی پہ بہت ناز کرتے۔ لیکن ان کو خبر تک نہ ہوتی کہ انہوں نے اصل قیمت سے دگنی قیمت ادا کر دی۔

ترک صرف ایماندار اور مخلص تاجر ہی نہ تھے بلکہ وہ نجی ملازم کی حیثیت میں بھی بہت ایمانداری سے کام کرتے تھے۔ امریکی مبلغین کا مشہور قول ہے کہ کسی ترکی قریہ میں کوئی چیز اچانک گم ہو جانے کا اتفاق ہو جائے تو دس میں سے نو دفعہ تو ضرور مل جائے گی۔ حالانکہ دیگر مشرقی ممالک کے گاؤں میں ایسی صورت حال نہیں ہے۔ معمولی چوری اور ہیرا پھیری کا طلوعِ اسلام سے پہلے عام رواج تھا۔ لیکن اسلام کی سخت اخلاقی پابندیوں کے باعث جلد ہی سارے مشرق سے یہ وبا جاتی رہی۔ ایک ترکی گاؤں میں یہ دیکھ کر میرے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی کہ ایک زردوز اور کشیدہ کار اپنی خوبصورت دکان کو کھلا چھوڑ کر نزدیک کی مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کرنے چلا گیا۔ حالانکہ یہ

دکان بازار کے ایک بارونق حصّہ میں واقع تھی اور لوگ ادھر اُدھر گھوم پھر رہے تھے۔

ترکوں کی پاکدامنی اور پاکبازی، ان کا خدا پہ ایمان، روزمرہ کی زندگی میں پُر متانت اور سنجیدہ کردار، نمازِ پنجگانہ اور نمازِ جمعہ میں کامل خشوع وخضوع قابلِ احترام خصائل تھے۔ ۱۹۰۸ء شمسی کے انقلاب ترکیہ سے قبل غیر مسلموں کے لیے نماز کی حالت میں کسی ترکی مسجد کی زیارت ممنوع تھی، لیکن آتا ترکیوں نے اس کی عام اجازت دے دی۔ اسی لیے آج وہی ترک صلح کل اور وسیع المشرب ہونے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

ایک دفعہ مجھے مسجد ایا صوفیہ میں نمازِ جمعہ کی ادائی کا شاندار منظر دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس اسلامی فریضے کا اکثر حصّہ رکوع وسجود پہ مشتمل تھا۔ نمازی بار بار جھکتے اور پھر سجدہ میں جاکر اپنے ہاتھوں کو فرش پہ رکھ دیتے حتیٰ کہ پیشانی بھی زمین سے جالگتی۔ یہ عمل بار بار دہرایا گیا۔ اس سے پہلے ایک مختصر سا خطبہ بھی دیا گیا۔

ان نمازیوں نے جس اطمینانِ قلب اور رجوع الی اللہ سے یہ فریضہ ادا کیا تھا۔ میں اس سے بہت متاثر ہوا۔ بارگاہِ الٰہی میں مسلمانوں کا اس احترام سے حاضر ہونا قابلِ ستائش ہے اس کے برعکس ایک ہفتہ کی سیاحت کے دوران مجھے کوہِ ایتھاس پر مشرقی رومی کلیسائی ایک عبادت گاہ میں طریقۂ عبادت دیکھنے کا موقع ملا۔ لیکن موخرالذکر میں وہ کیف وسرور، خضوع وخشوع کہاں، درحقیقت کسی مسیحی گرجا میں عبادت کی ایسی روح پرور فضا میرے دیکھنے میں کبھی نہیں آئی۔

اسی سال ایک عظیم الشان عمارت کے بارجہ (BALCONY.) سے مجھے لیلۃ القدر کی سالانہ مذہبی رسوم کی ادائی کا شاندار نظارہ کرنے کا موقع ملا۔ یہ رات میرے لیے بھی ایک مبارک سعادت کا پیغام لائی۔ کیونکہ اسلامی اعتقاد کے مطابق قرآن حکیم کی مقدس کتاب اسی شب آسمان سے نازل ہوئی تھی۔ مسجدِ ایا صوفیہ کے فرش پہ تقریباً پانچ ہزار نمازی سربسجود تھے۔ وہ سب کے سب ایک ہی امام کے اتباع میں کامل نظم و ضبط کے ساتھ ارکانِ نماز ادا کر رہے تھے۔ مجھے تو یہ گمان گزرتا تھا کہ مسلمانوں کا یہ اجتماع طیورِ سماوی کا ایک جھنڈ ہے جو فضائے بسیط کی بلندی و پستی میں اپنے بازوؤں کو پہ بنائے محوِ پرواز ہے۔

اسلامی عبادات محض خشوع وخضوع ہی نہیں بلکہ جمہوریت اور اخوت کی بھی آئینہ دار ہیں۔ ان آنکھوں نے اسلامی مساوات و اخوت کے وہ وہ مناظر دیکھے کہ عقل دنگ رہ گئی۔ میں نے نماز میں ایک غریب ترکی خوانچہ فروش کو ایک باعزت و بارعب پاشا کے برابر کھڑے دیکھا۔ حالانکہ غریب خوانچہ فروش کے جسم پہ چیتھڑے تھے اور امیر پاشا شاہانہ پوستین میں ملبوس تھا۔ میں نے گنوار اور اجڈ نیگرو مسلمان کو ترکان باامارت و سفارت کے پہلو میں عبادت کرتے دیکھا۔ اسلام ابتدا ہی سے ایک زبردست اسلامی اخوت کا بانی وحامی رہا ہے اور آج بھی اس کی یہی روح کام کر رہی ہے۔

آپ حیران ہوں گے کہ ان پُر کیف و پُرسرور و مسحور کن نظاروں کا میری تصنیف " تہذیب عالم اور مسلمانوں کی خدمات " سے کیا تعلّق ہے ۔ دراصل میرا مقصد تو یہ ہے کہ میں ایک ایسی سازگار فضا اور پُرکیف ماحول پیدا کر لوں جس میں ایک خشک معروضی موضوع کے مطالعہ کے لیے قلبی کشش پیدا ہو تا کہ اسلامی تاریخ مسلمانان وقت کے نقطۂ نظر اور ان کے داخلی رجحانات کے مطابق پیش کی جائے اور ان کو صحیح صحیح سمجھنے کے لیے راہ ہموار ہو سکے ۔ میرا تو یہ بھی ایمان ہے کہ تاریخ اسلام کی تشریح و توضیح اُس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ ہم اسلامی دنیا کی داخلی روح سے کماحقہٗ واقفیت حاصل نہ کر لیں کیونکہ آج بھی مسلمانوں میں یہی جذب دروں اور یہی روحِ عالیہ کام کر رہی ہے ۔ اسی وجہ سے ایک عام مسلمان کی روزمرّہ کی زندگی صبر و قناعت، تقویٰ، پرہیزگاری اور پُروقار جلال و طمانیت کے گنج ہائے گراں مایہ سے مالا مال ہے ۔

مذکورۃ الصّدر نظریئے کی مَیں خود ذاتی طور پر تصدیق کرتا ہوں کیونکہ اسلامی عبادات و اخلاقیات کے پُرشکوہ نظاروں سے میرے واردات قلبی نے میری شخصیت پہ گہرے نقوش مرتسم کئے ہیں ۔ ترکیہ سے واپسی کے بعد میں ایک بالکل منقلب شخص تھا ۔ اسلامی تعلیمات کے زیر اثر مَیں نے اپنی ذات کی داخلی دنیا میں ایک انقلاب عظیم پایا ۔ مَیں خود محسوس کرتا ہوں کہ اسلامی تربیت نے مجھے زندگی کے اُس موڑ پہ لا کھڑا کیا ہے ، جہاں دنیاوی نامرادیاں و ناکامیاں مجھے نفسیاتی طور پہ تند و تیز نہیں بناتیں ۔ اب میں بہت کم زود حس (یعنی پریشان و مضطرب) اور مشوّش (یعنی پُر اندیشہ، خائف و ہراساں) ہوتا ہوں ۔ اس طرح اسلامی تعلیمات پُراسرار طور پہ میرے ایمان و ایقان کی دنیا میں جاگزیں ہو گئیں ۔

مندرجہ بالا گزارشات کے پیش نظر میں قارئین کرام سے استدعا کرتا ہوں کہ عربی ثقافتِ اسلامیہ کی اس مختصر تاریخ کا ہمدردانہ جذبات سے مطالعہ کریں ۔ جملہ تعصّبات ذہنی و فکری سے پاک ہو کر اس کی ورق گردانی کریں ۔ کسی تاریخی قوم کو سمجھنے کے لیے ہمیں بھی اپنے احساسات کو اُسی نہج پہ ڈالنا ہو گا ۔ جو اس قوم میں موجزن ہیں ۔ بعینہٖ کسی عہد کی تاریخ کو سمجھنے کے لیے ہمیں یہ تصوّر کرنا ہو گا کہ ہم خود اسی عہد میں سے گزر رہے ہیں ۔

کراچی
میں دارالاشاعت الاسلامیہ | اور ماہنامہ میثاق لاہور
کے سول ایجنٹ میسرز شفیق پریس
کچہری روڈ کراچی : فون : ۲۳۵۲۳۵

اشاراتِ علمیہ
پروفیسر اعجاز احمد چودھری

اسلام ایک فطری نظامِ معیشت کا حامل ہے"

"ایک فرانسیسی ماہر اقتصادیات کی شہادت"

جناب جیکوئیز آسٹرے (JACQUES AUSTRUY) ایک فرانسیسی ماہر اقتصادیات ہیں۔ انہوں نے "اسلام ایک ترقی یافتہ اقتصادی نظام" کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ یہ کتاب پیرس سے ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں فاضل مصنف واضح طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ دو مروّجہ نظامہائے معیشت ہیں کئی مکاتب فکر ہیں جو انتہائی کوتاہ اندیش ہیں۔ ان کے نزدیک معاشی ترقی کے لیے صرف انہی کا مجوزہ خاکہ و نظام صحیح ہے۔ وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ ان کے معاشی نظاموں کے علاوہ کوئی دیگر نظام بھی ہو سکتا ہے۔

فاضل مصنف اپنی کتاب میں بالصراحت فرماتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام ہائے معیشت کے علاوہ جدید معاشیین و سیاسیین کو تیسرے معاشی مکتب فکر کی طرف بھی متوجہ ہونا چاہیے۔ یہ تیسرا مکتب فکر اسلامی نظامِ معیشت ہے۔ یہ نظام اپنے اعلیٰ درجہ میں بالکلیہ نہ انفرادی ہے نہ اجتماعی — بلکہ بالفعل دونوں کا آمیزہ ہے۔ اور یہ توازن ہی اسلامی نظامِ معیشت کا امتیاز ہے جو عین فطرتِ انسانی کے مطابق ہے۔

فاضل مصنف مزید فرماتے ہیں کہ جدید ماہرینِ معاشیات کو کئی لاینحل مسائل درپیش ہیں۔ ان کے صحیح فطری حل کے لیے اسلام کی استعدادہائے پوشیدہ کو بروئے کار لانا چاہیئے کیونکہ اسلام عظیم الشان صلاحیتوں سے مالا مال ہے۔ اس کتاب کا پورا فرانسیسی نام یہ ہے:-

L. Islam Face An Development Economique Paris, 1961

افکار و آراء

تحریکِ تعلیم و تعلّمِ قرآن

کے ضمن میں

شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

★—— براویت: مولانا مفتی محمد شفیع مدظلہٗ ——★

شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہٗ مالٹا کی چار سالہ جیل سے رہائی کے بعد دارالعلوم دیوبند میں تشریف لائے تو علماء کے ایک مجمع کے سامنے آپ نے ایک نہایت اہم بات ارشاد فرمائی۔

جو لوگ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے واقف ہیں وہ اس سے بھی بے خبر نہیں ہیں کہ ان کی یہ قید و بند عام سیاسی لیڈروں کی قید نہ تھی۔ جنگ آزادی میں اس درویش کی ساری تحریکات صرف رضائے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے لیے امت کی صلاح و فلاح کے گرد گھومتی تھیں۔ مسافرت اور انتہائی بے کسی کے عالم میں گرفتاری کے وقت جملہ جو ان کی زبان مبارک پر آیا تھا، ان کے عزم اور مقصد کا پتہ دیتا ہے۔ فرمایا "الحمد للہ بمصیبتے گرفتارم نہ بمعصیتے"۔ جیل کی تنہائیوں میں ایک روز بہت مغموم دیکھ کر بعض رفقاء نے کچھ تسلی کے الفاظ کہنا چاہے تو فرمایا۔ "اس تکلیف کا کیا غم ہے جو ایک دن ختم ہو جانے والی ہے، غم اس کا کہ یہ تکلیف و محنت اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول ہے یا نہیں؟"

مالٹا کی قید سے واپس آنے کے بعد ایک رات بعد عشاء دارالعلوم میں تشریف فرما تھے، علماء کا بڑا مجمع سامنے تھا، اس وقت فرمایا کہ "ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں" یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا کہ اس استاذ العلماء درویش نے اسّی سال علماء کو درس دینے کے بعد آخر عمر میں جو سبق سیکھے ہیں، وہ کیا ہیں۔ فرمایا کہ،

" میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ

پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن چھوڑ دینا، دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی، اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے۔ بچوں کے لیے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی میں قائم کئے جائیں۔ بڑوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے، اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔"

نباض امت نے ملتِ مرحومہ کے مرض کی جو تشخیص اور تجویز فرمائی تھی، باقی ایام زندگی میں ضعف وعلالت اور ہجوم مشاغل کے باوجود اس کے لیے سعیٔ پیہم فرمائی۔ بذات خود درس قرآن شروع کر دیا، جس میں تمام علمائے شہر اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی جیسے علماء بھی شریک ہوتے تھے اور عوام بھی، اس ناکارہ کو اس درس میں شرکت کا شرف حاصل رہا ہے۔ مگر اس واقعے کے بعد حضرت کی عمر ہی گنتی کے چند ایام تھے "آن قدح بشکست و آں ساقی نماند"۔

آج بھی مسلمان جن بلاؤں میں مبتلا اور جن حوادث و آفات سے دوچار ہیں اگر بصیرت سے کام لیا جائے تو ان کے سب سے بڑے سبب یہی دو ثابت ہوں گے۔ قرآن کو چھوڑنا اور آپس میں لڑنا۔ غور کیا جائے تو یہ آپس کی لڑائی بھی قرآن کو چھوڑنے ہی کا لازمی نتیجہ ہے۔ قرآن پر کسی درجے میں بھی عمل ہوتا تو خانہ جنگی یہاں تک نہ پہنچتی۔

(ماخوذ از 'وحدتِ امت'، تالیف مولانا مفتی محمد شفیع صاحب۔ شائع کردہ: مکتبہ المنبر لائل پور)

"آوازہ منصور!"

شرک سرکاری سرپرستی میں

کیپٹن ڈاکٹر مسعود الدین حسن عثمانی
ایم بی بی ایس - فاضل علوم دینیہ
امیر حزب اللہ، توحید روڈ، کیماڑی، کراچی

> الا و ان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیاءھم وصالحیھم مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد انی انھاکم عن ذالک - (مسلم) ——— "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! کان کھول کر سن لو - تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں انہوں نے اپنے انبیا اور اپنے اولیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا تھا - سنو! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا میں اس فعل سے تم کو منع کرتا ہوں ——— (مسلم)

پاکستان کا ایک بازو کاٹ ڈالا گیا - ایک آنکھ پھوٹ گئی - دامن آبرو تار تار ہوا - لاشے تڑپے - بستیاں اجڑیں - معصوم بچوں کو ذبح کیا گیا - (۹۰) نوّے ہزار قیدی بنے - غرضیکہ اللہ کے اُس عذاب نے ہمیں آدبوچا جو اس سے پہلے بے شمار قوموں کو برباد کرچکا ہے - قوم نوحؑ، قوم عاد، قوم ثمود کی عبرتناک مثالیں ہمارے سامنے ہیں اللہ تعالےٰ نے سورۃ روم میں اس تباہی و بربادی کی اصل وجہ "شرک" کو قرار دیا ہے

ظھر الفساد فی البرّ والبحر بما کسبت ایدی النّاس لیذیقھم بعض الذی عملوا لعلّھم یرجعونo قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ الّذین من قبل ط

خشکی و تری میں جو بربادی آج نظر آرہی ہے وہ لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے اور ابھی تو اللہ تعالےٰ نے اُن کے کرتوتوں کا صرف تھوڑا سا ہی مزا چکھایا ہے تاکہ لوگ (اللہ کی طرف) واپس پلٹ آئیں - ان سے کہو کہ (اگر تم اب

کان اکثرھم مشرکین ۵

(سورۃ الروم آیت ۴۱-۴۲)

بھی پلٹنے پر تیار نہیں ہو) تو زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ تم سے پہلے کتنی ہی بستیاں ہیں کہ تہس نہس کر ڈالی گئیں۔ آخر ان کا جرم یہی تو تھا کہ ان کی اکثریت مشرک بن گئی تھی۔ (اب اگر تم بھی اس جرم سے باز نہ آئے تو تمہارا بھی یہی انجام ہوگا)

معلوم ہوا کہ شرک ہی وہ اصل بیماری ہے جس کی وجہ سے قوموں کو موت کے گھاٹ اترنا پڑتا ہے۔ آج ہماری پاکستانی ملت میں بھی ہر طرف شرک ہی شرک پھیلا ہوا ہے۔ یہ ملت کبھی "پاک پتن" کے بہشتی دروازے" سے گذرتی ہے۔ کبھی بلھے شاہ کے "مزار" پر مرادیں برآنے کے بعد حاضری دیتی ہے۔ اور کبھی "داتا دربار" پر شرک کا جشن منانے کے لیے جمع ہوتی ہے۔ چادریں چڑھتی ہیں۔ سجدے اور طواف ہوتے ہیں۔ رشد و ہدایت کے نام پر فسق و فجور کا بازار گرم ہوتا ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ عین میدان جنگ میں جبکہ صرف اللہ ہی کی مدد، فتح و نصرت کا سبب بن سکتی ہے۔ غیر اللہ کو پکارا جاتا ہے۔ کوئی نعرہ حیدری لگاتا ہے اور کوئی نعرۂ رسالت۔ گویا شرک کا زہر محض ہمارے عقائد ہی میں سرایت کئے ہوئے نہیں ہے بلکہ ہمارے پورے اعمال کا مرکز و محور بھی یہی شرک ہے۔ اس کے بعد بھی اگر آسمان ہم پر نہ پھٹ پڑے تو اور کیا ہو؟ ۱۹۴۷ء سے لے کر آج تک برابر عذاب پر عذاب آتے رہے مگر ہم ٹس سے مس نہ ہوئے۔ شرک کی یہ نامراد بیماری بڑھتی ہی گئی اور اس نے عوام و خواص سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، حد یہ ہے کہ ہمارا حکمران گروہ جس کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے نام پر بننے والی اس مملکت کے اندر شرک کو سانس تک لینے کی اجازت نہ دیتا اب اُس کی سرپرستی میں سرگرم ہے۔ اس طبقہ کے ہاتھوں اب قبر پر چادریں چڑھتی ہیں اور اسی کے ذریعے قومی خزانہ سے شرک کے ان اڈوں کو نوازا جاتا ہے۔ کسی آستانہ پر دودھ کی عوامی سبیل کی تحسین و تعریف ہوتی ہے اور کسی صاحبِ مزار کے نام نہاد بلاوے پر حاضر ہونے پر فخر محسوس کیا جاتا ہے۔ آخر ابھی ابھی "داتا دربار" پر جو کچھ ہوا ہے وہ اسلام کے دعویداروں کی طرف سے علی الاعلان شرک کے پرچار کا ثبوت نہیں تو اور کیا ہے؟ گمراہی اتنی ہمہ گیر اور اس کی وسعت و شدت میں اس حد تک اضافہ ہو چکا ہے کہ روزمرہ زندگی میں بھی لَہُ الْخَلْقُ وَلَہُ الْاَمْرُ (اللہ ہی کائنات کا خالق ہے اور اُسی کا حکم چلنا چاہیئے) کے واضح ارشاد کو نظر انداز کرتے ہوئے غیر اللہ کی حکمرانی ہر جگہ تسلیم کی جا رہی ہے۔ گھر اور بازار میں، کارخانے اور صنعت گاہ میں، عدالت اور ایوانِ حکومت میں، کالج اور یونیورسٹی میں، اللہ کی وہ "بات" جو اس کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت کی شکل میں موجود ہے، طاقِ نسیاں کے سپرد کر دی گئی ہے۔ دین کا علم رکھنے والے کی حیثیت سے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ میں اپنے عوام اور حکومت دونوں کو آواز دے کر یہ التجا کروں کہ جسدِ ملت سے جان تو نکل ہی چکی اب للہ لاشے کی بے حرمتی نہ کرو۔ عذاب الٰہی ٹوٹ کر بس

مچی چکا آخراب کس عذاب کو دعوت دے رہے ہو۔

آؤ کہ ہم سب مل کر اپنے مالکِ حقیقی کے اس پیغام پہ کان دھریں :-

اَلَّذِینَ آمَنُوا وَلَمْ یَلْبِسُوا إِیمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ ۝	جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ایمان میں شرک کی ملاوٹ نہیں کی اُنہی کے لیے امن و سلامتی ہے اور وہی راہِ راست کو پا گئے۔
(سورہ الانعام آیت ۸۲)	(اس آیت میں ظلم کے معنی "شرک" زبانِ نبوت نے خود بیان فرمائے ہیں)۔ (بخاری مسلم)

سُنو! کہ ہماری اس برباد قوم کے لئے صرف یہی ایک راستہ ہے کہ وہ اللہ سے معافی مانگ کر اُس کی طرف پلٹ آئے، شرک کے بجائے توحید کی بازی کھیلے۔ سنّت کے رنگ میں رنگ کر یکسو و یک رنگ بنے۔ اور جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے نظامِ کائنات کو بدل ڈالے۔ پھر کہیں جینے میں مزہ آئے گا اور مرنے میں لذت۔ یہ دنیا قدموں کے نیچے ہو گی اور جنّت آغوش وا پکارے گی۔ اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہ (اللہ کے بندو ادھر میری طرف، میری طرف آؤ)

اللہ تعالےٰ وہ دن جلد لائے۔ آمین۔ والسّلام۔

جماعت اسلامی

کن مقاصد کے تحت قائم ہوئی تھی؟

* آزادی سے قبل اس کے نظریات کیا تھے؟

* قیامِ پاکستان کے بعد اس نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا؟ اور اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

جماعت کے ماضی و حال کا ایک تاریخی تجزیہ جماعت کے سابق کارکن کے قلم سے

تحریکِ جماعتِ اسلامی

ایک تحقیقی مطالعہ

تالیف: ڈاکٹر اسرار احمد ایم اے، ایم بی بی ایس۔ سابق ناظمِ اعلیٰ اسلامی جمعیت طلبا پاکستان و امیر جماعت اسلامی ساہیوال

• ضخامت ۲۳۶ صفحات • سائز بڑا • طباعت آفسٹ • مجلد معہ گرد پوش۔ قیمت ۴ روپے علاوہ محصول ڈاک

دار الاشاعت الاسلامیہ، کوثر روڈ، اسلام پورہ لاہور

صفحہ ۲۶۱

جنمر ۱۹

رفتارِ کار حلقہ ہائے مطالعہ قرآن

اسرار احمد

روداد دورۂ ماہانہ

و اجتماعات منعقدہ بیرون لاہور

اپریل ۷۲ء کے شمارے کے آخر میں بطور ضمیمہ لاہور کے حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن کا نظام الاوقات شائع کر دیا گیا تھا۔ گزشتہ دو ماہ کے دوران لاہور کے اجتماعات کا نظم راقم کی علالت کے باعث صرف ایک ہفتے کے چند پروگراموں کے سوا بحمد اللہ پوری باقاعدگی اور پابندی کے ساتھ قائم رہا۔ یہ سراسر اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ وہ ایک بندۂ ناچیز کو اپنی کتاب عزیز کی خدمت کی توفیق دیئے جا رہا ہے۔ فلہ الحمد و المنۃ۔

اُسی شمارے کے 'تذکرہ و تبصرہ' میں ماہ مارچ ۷۲ء میں بیرون لاہور کے مستقل ماہانہ دورے کی روداد کے علاوہ بعض دوسرے مقامات پر منعقدہ اجتماعات کا ذکر بھی ہو گیا تھا۔ ذیل میں اپریل اور مئی ۷۲ء کے دوران بیرون لاہور کے اجتماعات کی اجمالی روداد درج کی جا رہی ہے۔ مقصود اس تذکرے سے بحمد اللہ 'اشتہار' بالکل نہیں ہے بلکہ صرف 'اطلاع' ہے تاکہ "كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا" کے مصداق اس مقصدِ عزیز سے تعلق خاطر رکھنے والے لوگوں کے قلوب کے لیے راحت و تسکین کا سامان بھی ہو اور ان کے ذوقِ عمل کے لیے مہمیز کا کام بھی کرے۔ واللہ علیٰ ما نقول وکیل!

ماہ اپریل کے دورے کے لیے راقم لاہور سے ۲۹ مارچ کی شام کو روانہ ہوا۔ ۳۰ مارچ کی شام کو عزیز آباد کراچی میں ایک رفیق کے مکان پر درس قرآن کی پہلی مجلس ہوئی جس میں سورۂ صف بیان کی گئی ۳۱ کو خطبۂ جمعہ جامع مسجد کورٹ روڈ میں سورۂ اعلیٰ کے مضامین کی تشریح پر مشتمل دیا گیا۔ اسی رات کو بعد

نمازِ عشاء مسجد باب الاسلام متصل آرام باغ میں سورۂ جمعہ کا درس دیا گیا۔ بحمداللہ حاضری ان تمام مقامات پہ توقع سے بہت زیادہ اور پہلے کے مقابلے میں اضافہ پذیر نظر آئی۔

ہفتہ یکم اپریل کی سہ پہر کو بعد نمازِ عصر ایک مجلس جامعہ اسلامیہ عربیہ، نیو ٹاؤن میں زیر صدارت حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ، جامعہ کے دارالحدیث کے کشادہ ہال میں منعقد ہوئی جس میں جامعہ کے طلبہ کے علاوہ اساتذہ کرام نے بھی شرکت فرمائی۔ اس میں راقم نے دعوت تجدید ایمان اور اس کے ذیل میں خصوصاً تحریک تعلیم و تعلّم قرآن کی اہمیت کے موضوع پر خطاب کیا۔ الحمدللہ کہ راقم الحروف کے خیالات سے بالعموم اتفاق کا اظہار کیا گیا۔

اسی رات کو درس قرآن کی ایک نشست مسجد ریاض دہلی مرکنٹائل سوسائٹی میں بعد نمازِ عشاء منعقد ہوئی جس میں سورۂ نور کے پانچویں رکوع کا درس دیا گیا۔

اتوار ۲؍ اپریل کو حسب معمول کراچی کی اہم ترین نشست رباط العلوم الاسلامیہ، عالمگیر روڈ میں صبح دس بجے منعقد ہوئی۔ جس میں "ایمان کی حقیقت اور اس کے لیے قرآن حکیم کا مخصوص استدلال" کے موضوع پہ تقریر ہوئی اور اسی کے ضمن میں خصوصاً سورۂ آل عمران کے آخری رکوع کی ابتدائی چھ آیات کی تشریح کی گئی۔ یہ تقریر دو گھنٹے سے زائد جاری رہی۔ اور الحمدللہ کہ جملہ حاضرین نے نہایت ذوق و شوق اور توجہ و انہماک کے ساتھ پوری تقریر کو سنا۔

کراچی سے واپسی پر سب سے پہلے حسب معمول سکھر قیام کیا گیا۔ وہاں ایک تقریر ۳؍ کی رات کو بعد نماز عشاء فاران کلب کے زیر اہتمام "نیکی کی حقیقت از روئے قرآن" کے موضوع پہ ہوئی جو آیۂ بِرّ (سورہ بقرہ: ۱۷۷) پر مبنی تھی۔ اور دوسرا درس ۴ کی صبح کو مکّی مسجد متصل لوکس پارک میں سورہ حج کے آخری رکوع کا ہوا اسی روز سکھر سے رحیم یار خاں روانگی ہوئی۔

رحیم یار خاں میں اب کی بار دونوں درس موتی مسجد میں ہوئے یعنی ایک ۴ کی شام کو بعد نماز مغرب اور دوسرا ۵ کی صبح کو بعد نماز فجر۔ اور ان دونوں میں سورہ لقمان کے دوسرے رکوع کے مضامین خصوصاً شرک کی اہمیت اور اس کے اقسام تفصیل سے بیان ہوئے۔

اسی شام کو ایک درس صادق آباد میں ہوا۔ جس میں سورہ حجرات کی آیات ۱۴ و ۱۵ کے ذیل میں ایمان اور اسلام کا فرق اور حقیقی مومن کی تعریف پر مشتمل تقریر کی گئی۔

اس مستقل ماہانہ دورے کے علاوہ ماہ اپریل کے دوران تین مزید مقامات پہ جانا ہوا۔ چنانچہ ۷؍ اپریل کو صبح دس بجے گورنمنٹ کالج سرگودھا میں کمشنر سرگودھا کی زیر صدارت سیرت النبیؐ کے جلسے سے خطاب کیا گیا جس میں کالج کے پرنسپل کے علاوہ طلبہ کی ایک بڑی تعداد اور بیشتر سٹاف ممبرز موجود تھے۔ جنہوں نے ڈیڑھ گھنٹے سے زائد کی تقریر کو پورے ذوق و شوق کے ساتھ سنا۔ اسی شام کو منڈی بھلوال میں ڈاکٹر ایس آئی سرور

صاحب کی دعوت پر جانا ہوا - جہاں ایک خطاب بعد نماز عشاء ہوا - اور ایک درس اگلے روز بعد نماز فجر شہر کی جامع مسجد میں سورۂ عصر کے مضامین پر مشتمل دیا گیا - ۲۶ر کی رات کو بعد نماز عشاء ایک تقریر "ایمان کی حقیقت" کے عنوان سے جامع مسجد جوہر آباد میں کی گئی جس میں اہل شہر نے بڑی تعداد میں شرکت کی اور خصوصاً حضرات علماء نے اس کی کامل تصویب ہی نہیں نہایت فراخدلانہ تحسین فرمائی - فللہ الحمد!

مئی کے ماہانہ دورے کے لیے راقم الحروف ۳ر مئی کو لاہور سے روانہ ہوا - [illegible] ماہ سب سے پہلا [illegible] ملتان میں ہوا - جہاں ایک درس ملت ہائی سکول کے لان میں بعد نماز مغرب ہوا - اور بعد میں حاضرین [illegible] پر طے پا گیا کہ آئندہ مستقل ماہانہ دورے میں ملتان کے لیے بھی لازماً وقت نکالا جائے گا - [illegible] مئی کو [illegible] میں حسبِ معمول بعد نماز عصر اچھل باغ ہائی سکول میں درس قرآن کی نشست منعقد ہوئی -

۵ر سے ۸ر مئی تک قیام کراچی میں رہا - جہاں خطبۂ جمعہ حسبِ معمول جامع مسجد [illegible] روڈ [illegible] ہُمزہ کی تشریح پر مشتمل دیا گیا - پھر اسی رات کو مسجد باب الاسلام میں درس قرآن سورۂ [illegible] کے پہلے رکوع کا دیا گیا - ہفتہ کی رات کو ایک مجلس عزیز آباد میں ایک رفیق کے مکان پر منعقد ہوئی [illegible] معمول رباط العلوم الاسلامیہ میں اجتماع ہوا - جہاں اس مرتبہ سورہ تغابن کا درس دیا گیا - [illegible] یہ درس دو گھنٹے سے زیادہ طویل ہو گیا - رات کو پھر ایک درس مسجد ریاض دلی مرکنٹائل [illegible] جہاں سورہ قیامہ بیان کی گئی -

پیر ۸ر مئی کی شب کو سکھر کی جامع مسجد میں تقریر ہوئی - اور ۹ر کی صبح کو حسبِ معمول نئی مسجد میں درس قرآن کی نشست منعقد ہوئی -

بعدہٗ رحیم یار خاں آنا ہوا - وہاں اس بار ایک درس حسب سابق موتی مسجد میں بعد نماز مغرب ہوا - اور دوسرا اگلے روز بعد نماز فجر بستی امانت علی کی بڑی مسجد میں -

ماہانہ دورے کے علاوہ اس ماہ ایک سفر گوجرانوالہ کا برادرم عبد اللطیف شیخ صاحب ہیڈ ماسٹر تعمیر نو ہائی سکول کے اصرار پر کرنا پڑا - جہاں ۱۹ر مئی کو راقم نے سٹلائٹ ٹاؤن کی مسجد میں اجتماع جمعہ سے خطاب کیا اور سورہ جمعہ کے مضامین کی تشریح کے ذیل میں دعوت رجوع الی القرآن پیش کی -

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ راقم کو اس خدمت کے دلجمعی اور استقلال کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسے ہر نوع کے داخلی و خارجی اور ظاہری و باطنی فتنوں سے محفوظ رکھے - رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ؎

(بقیہ کور کے صفحہ 4 سے)

Kalalat. Our Ulama, ancient and modern, have worked out a great body of literature on usury, based mainly on economic conditions as they existed at the rise of Islam. I agree with them on the main principles but respectfully differ from them on the definition of usury. As this subject is highly controversial, I shall discuss it not in this Commentary but on a suitable occasion else-where. The definition I would accept would be: undue profit made, not in the way of legitimate trade, out of loans of gold and silver, and necessary articles of food such as wheat, barley, dates and salt (according to the list mentioned by the Holy Apostle himself). My definition would include profiteering of all kinds but exclude economic credit, the creature of modern banking and finance." (Commentary No. C-324, Surah II, Ayah 275)

یہ قرآن مجید رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ جب سے قائم ہوا ہے ' ہزاروں کی تعداد میں نو مسلموں اور دیگر انگریزی دان سائلوں کو مفت ارسال کر چکا ہے اور اب بھی جوں کا توں بھیج رہا ہے - نیز جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ بھی اسکو ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کر چکی ہے اور کر رہی ہے - کسقدر قلق کی بات ہے کہ یہ دونوں دینی ادارے ایک صریح حرام فعل کی نشر و اشاعت اندھا دھند کر رہے ہیں - اس کے علاوہ عبداللہ یوسف علی کا عقیدہ معجزات کے بارے میں بھی سلف کے خلاف ہے - جب سے یہ ترجمہ مارکٹ میں آیا ہے کسی نے اسکی چھان بین نہیں کی کہ اسکی صحت کہانتک سلف کے عقیدہ کے مطابق ہے -

(۳) پکتھال مرحوم کے ترجمہ میں سنا ہے کہ تقریباً ساٹھ اغلاط ہیں - یہ ترجمہ سالہا سال سے کثیر تعداد میں فروخت ہو رہا ہے -

(۴) مولانا عبدالماجد دریا بادی کے متعلق یہ سنا ہے کہ انہوں نے مرزائیوں کو پکے مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ عطا کر رکھا ہے اور انکے ترجمہ میں صوفی طرز فکر کی طرف زیادہ میلان پایا جاتا ہے -

ان معروضات کی روشنی میں ذکر الحکیم کے صحت سند انگریزی ترجمہ کو اولیت دی جائے اور اسکے فوری اہتمام کی ضرورت ہے -

میرے ناقص خیال میں قرآن اکیڈمی کو سب سے پہلے اس ضروری اور اہم فریضہ کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہئے - آجتک قرآن مجید کے جتنے بھی انگریزی تراجم ہوئے انکی اچھی طرح سے چھان بین کرکے اور صحیح عقیدہ کے عین مطابق ترجمہ شائع کیا جائے - میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مجوزہ اکیڈمی کی موجودہ پوزیشن کیا ہے - کن کن مراحل سے گزر چکی ہے - معاونین کا کوئی حلقہ قائم ہوا یا نہیں یا یہ تجویز ابھی صرف ذہنوں میں مقید ہے - آپکی طرفسے مفصل جواب آنے پر مزید کچھ عرض کرونگا -

فقط - والسلام"

Regd. No. L. 7360

Monthly "MEESAAQ" Lahore

Vol 19 | JUNE 1972 | No. 5-6

قرآن مجید کے صحیح اور مستند انگریزی ترجمے کی ضرورت

از قلم : سید منظورالحسن ' ص ۔ ب : ۱۲۸۶ ' جدہ

" مخدومی محترم جناب ڈاکٹر صاحب زید مجد کم' السلام علیکم و رحمۃاللہ و برکاتہ

امید ہے آپ بفضل تعالیٰ مع جمیع اہل بیت خیر و عافیت سے ہونگے ۔ عرصہ سے آپکو قرآن اکیڈمی کے بارہ میں لکھنا چاہتا تھا لیکن ناگزیر حالات کے باعث تاخیر ہوتی رہی ۔ یہ کاغذی تجویز اگر معرض وجود میں آ جائے تو بہت ہی مبارک اقدام ہے اور وقت کی اہم ضرورت اس کی مقتضی بھی ہے ۔ شاید آپ کے علم میں ہو قرآن مجید کے جتنے بھی انگریزی تراجم ہو چکے ہیں ان میں سے کوئی بھی قابل اعتماد نہیں ۔

(۱) مولوی محمد علی احمدی لاہوری پارٹی کا تو خارج از بحث ہی ہے ۔

(۲) رہا عبداللہ یوسف علی کا تو اسمیں بھی بہت سی گمراہ کن اغلاط ہیں ۔ مثلاً ایک فاش غلطی یہ ہے کہ انہوں نے بنک کے سود کے جواز کا راستہ وا کر دیا ہے ۔ چنانچہ لکھتے ہیں ۔

" Usury is condemned and Prohibited in the strongest possible terms. There can be no question about the prohibition. When we come to the definition of usury, there is room for difference of opinion. Hazrath Umar, according to Ibn Kathir, felt some diffiiculty in the matter as the Apostle left this world before the details of the questions were settled. This was one of the three questions on which he wished he had more light from the Apostle, the other being Khilafat and

(باقی کور کے صفحہ 3 پر)

پبلشر : محی الدین ۔ طابع : شیخ محمد اشرف مالک اشرف پریس ایبک روڈ لاہور
مقام اشاعت : کوثر روڈ ۔ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور ۔ ۱